مولانا خرم علی بلہوریؒ

اور

انکی علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ

(ماہنامہ معارف، مئی–جولائی 1956ء)

مقالات

مولانا خرم علی بلہوری اور اُن کی علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ

از

مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی، فاضلِ دیوبند

ہندوستان کے آخری دور کے جن علماء نے مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کے لیے انتھک کوششیں کیں، حدیث کا چرچا کیا، اور نکھری ہوئی توحید کی دعوت دی، ان میں مولانا خرم علی بلہوری کا نام بہت ممتاز ہے۔

نام اور تخلص خرم علی نام اور خرم تخلص تھا، مضافات کانپور کے قصبہ بلہور کے نیاعش نامی محلہ میں پیدا ہوئے، جہاں شرفاء کے چند گھرانے آباد تھے، اور اسی قصبہ کے نسبت سے بلہوری مشہور ہوئے۔

تعلیم و تربیت آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر پائی، اور اس کے بعد لکھنؤ چلے گئے، لکھنؤ اس زمانہ میں علوم و فنون کا مرکز تھا، یہاں ابتدائی کتابیں اساتذۂ وقت سے پڑھیں اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی سے کی اور آپ ہی کے حلقۂ درس سے حدیث کی سند لی، چنانچہ موصوف کا بیان ہے

"میں نے اپنے استاذ مرزا حسن علی (صغیر) محدث سے سنا وہ اپنے اساتذہ سے نقل کرتے

تھے کہ ممنوع وہ سیاہ خضاب ہے جو وسمہ کے سوا اور چیزوں سے ہو۔"[۱]

اسی طرح موصوف نے مولانا نور لکھنوی سے بھی حدیث کا سماع کیا تھا، چنانچہ "تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار" کا جو نسخہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۰ھ میں شائع ہوا تھا، اس کے آخر میں مولانا خرم علی کا نہایت مختصر سا تذکرہ بھی مذکور ہے، اس میں ہے:

"آپ نے مولوی نور صاحب اور مرزا حسن علی صاحب محدث سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔"

مولانا نور لکھنوی اپنے وقت کے شیخ الحدیث اور اتقیاے روزگار میں سے تھے، "ارشاد رحمانی" میں موصوف کے متعلق مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی کا یہ بیان منقول ہے:

"ایک مرتبہ مولوی نور صاحب اور مولانا انوار صاحب لکھنوی اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر رحمہم اللہ کا ذکر آیا، کسی کی نسبت ارشاد ہوا کہ صلحاے وقت سے تھے کسی کی نسبت فرمایا ذاکر و شاغل تھے۔"[۲]

پھر دہلی جاکر جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی کا بیان ہے[۳] شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حلقۂ درس حدیث میں شریک ہوکر حدیث کی سند لی، پھر وطن آئے، لیکن زیادہ عرصہ قیام نہیں رہا، اور جلد ہی اپنے ننھیال قصبۂ آسیون (جو اناؤ کے مضافات میں ہے) میں منتقل ہوگئے، اور محلہ قاضیانہ میں حکیم اسحاق کی حویلی کے صدر دروازہ کی بالائی منزل میں رہنے لگے، اور یہیں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا شغل اختیار کیا،

عادات و اخلاق آپ نہایت پرہیزگار، متواضع، باخلاق اور درویش سیرت بزرگ تھے، چھوٹی

۱ "غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار" طبع نولکشور ۱۹۲۵ء ج ۴ ص ۴۶۸ ۲ "ارشاد رحمانی و فضل یزدانی" از محمد علی مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ ص ۳۰، افسوس! اس سے زیادہ موصوف کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ۳ ملاحظہ ہو موصوف کا مضمون "ہندوستان میں علم حدیث" معارف جلد ۲۲ شمارہ نمبرہ

باتوں میں بھی شریعت کا بڑا خیال رکھتے اور نہایت سختی سے اس پر عمل کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے اور اساتذہ اور بزرگوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔

مولانا کا مسلک اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ موصوف ابتداءً روش عام کے مطابق پکے حنفی تھے، لیکن بعد میں تقلید سے آزاد ہوگئے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، امام خان (ابویحیی) صاحب نوشہروی کا خیال ہے کہ آخیر عمر میں حدیث کی طرف میلان ہوا، اور تقلید سے آزاد ہوگئے، اور اسی پر خاتمہ ہوا، چنانچہ لکھتے ہیں:

"ابتداءً روش عام کے مطابق غالی مقلد اور بقول صاحب تذکرۂ علماے ہند منع قرأت، فاتحہ خلف الامام پر رسالہ لکھا، مگر جب قسمت نے پلٹا کھایا اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی مصاحبت نصیب ہوئی تو اتباع سنت دامن غیر تقلید کا رنگ شوخ ہوتا گیا، اور اسی پر خاتمہ ہوا۔"[۱]

لیکن مولانا خرم علیؒ کی کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ آخر دم تک فقہ حنفی پر عامل اور تقلید کے قائل رہے، چنانچہ اپنی آخری اور مشہور تالیف "غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار" میں مسائل شتی کے عنوان کے تحت خضاب کی بحث میں لکھتے ہیں:

"اور ہم حنفیوں کا مذہب یہ ہے کہ حنا اور وسمہ کا رنگ خوب ہے۔"[۲]

حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت اور خلافت مولانا خرم علی سنت کے متبع، طریقت کے شیدا اور توحید کے بڑے دلدادہ تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سید احمد شہیدؒ لکھنؤ وارد ہوئے تو آپ نے سید صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور بڑی جلدی مدارج کمال کو طے کرلیا، سید صاحبؒ

۱ "ہندوستان میں علم حدیث بطریق تالیف و علوم حدیث" معارف جلد ۶۰ دسمبر ۱۹۴۷ء
۲ غایۃ الاوطار، طبع نولکشور، ج ۴ ص ۴۶۸

نے بھی آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا، چنانچہ محمد جعفر تھانیسری نے "تواریخ عجیبہ" میں جہاں سید صاحبؒ کے خلفاء کو نام بنام گنایا ہے، وہاں مولانا خرم علی کا نام بھی ہے۔[1]

چونکہ مولانا خرم علی رسم و رواج اور بدعت کے ابتدا ہی سے سخت مخالف تھے، سید احمد بریلویؒ سے بیعت کے بعد یہ شراب اور بھی دو آتشہ ہوگئی، چنانچہ مولوی رحمان علی "تذکرۂ علمائے ہند" میں لکھتے ہیں:

"ہموارہ در قلع بدعت و احیاے سنت می کوشید"

سید صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد مولانا خرم علیؒ کے تعلقات سید صاحبؒ کے خلفاء سے عموماً اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے خصوصاً بڑے اچھے ہوگئے تھے، چنانچہ آپ نے بھی شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے طرز پر رد بدعت اور احیائے سنت کے لیے بڑی کوشش کی اور "تقویۃ الایمان" کے انداز پر "نصیحۃ المسلمین" لکھی، مگر اس میں توازن قائم رکھا اور اعتدال کی راہ اختیار کی، بات وہی کہی جو شاہ اسماعیل شہیدؒ کہتے تھے، طرز بیان بھی سادہ اور دلنشین اختیار کیا مگر اعتدال سے سر مو انحراف نہ ہو سکا اور یہی آپ کا بڑا کمال ہے۔

جب سید صاحبؒ نے جہاد کی دعوت دی اور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا، اس زمانہ میں آپ نے ایک نہایت ہمت آفریں نظم کہی، جو رسالہ جہادیہ کے نام سے مشہور رہی،

جہاد میں شرکت کے لیے روانگی

مولانا خرم علی جہاد میں شرکت کے لیے اپنے ساتھ کم و بیش سو مجاہد[1]

---

[1] "تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی" مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۱۸۵ [2] بلہور کے بعض بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ مولانا خرم علی بلہوری جب تعلیم سے فارغ ہو کر وطن لوٹے، اسی زمانہ میں آپ کی بہن کی شادی ہوئی، والدہ ماجدہ شادی میں پوری رسمیں کرنا چاہتی تھیں، آپ نے سمجھایا، مگر وہ رسمیں کرنے پر مصر رہیں، آپ کو اسقدر ناگوار ہوا کہ اسی زمانہ میں بلہور سے اپنے ننہال قصبہ اسیون آگئے اور پھر کبھی بلہور نہیں گئے۔

کا ایک قافلہ ہندوستان سے لیکر سرحد پہنچے تھے، سید صاحبؒ جب دورۂ سوات سے فارغ ہو کر پنجتار پہنچے، اس وقت ہندوستان سے جو قافلے آئے، ان میں مولانا خرم علی بلہوریؒ کا قافلہ بھی تھا، چنانچہ مولوی رحیم بخش "اسلام کی دسویں کتاب" میں لکھتے ہیں:

"(سید صاحبؒ) فتحیاب ہو کر پنجتار کو لوٹ آئے اور راہ میں خبر سنی کہ ہندوستان سے قافلۂ احمد علی ہمشیرہ زادۂ سید صاحبؒ اور قافلہ مولوی مظہر علی عظیم آبادی اور قافلۂ مولوی خرم علی اور قافلۂ محمد علی رامپوری اور قافلۂ مولوی محبوب علی دہلوی آیا، یہ لوگ قریباً چھ سو آدمی کے تھے لیکن مولوی محبوب علی دہلوی تیز مزاج تھے، بن آئی اس لیے دہلی کو واپس تشریف لائے۔"[1]

منشی محمد جعفر تھانیسری کا خیال ہے کہ موصوف بھی ان لوگوں میں سے تھے جو کبیدہ خاطر ہو کر جہاد سے واپس گئے تھے، چنانچہ "تواریخ عجیبہ" میں لکھتے ہیں:

"مولوی خرم علی بلہوری صاحب نصیحۃ المسلمین، ان کی اور بھی تصانیف ہیں، رسالہ جہادیہ بھی ان ہی کی تصانیف سے ہے، افسوس ہے کہ یہ بزرگ باایں ہمہ اوصاف قبل از معرکۂ بالاکوٹ رنجیدہ ہو کر ہندوستان کو لوٹ آئے تھے۔"[2]

لیکن مولانا غلام رسول مہر کو موصوف کے اس بیان سے اختلاف ہے، چنانچہ "جماعت مجاہدین" (طبع لاہور ص ۲۹۴) میں لکھتے ہیں:

"مشہور ہے کہ سید صاحبؒ کے ساتھ جہاد کے لیے گئے تھے، وہاں سے واپس آگئے، اور غالباً سید صاحبؒ نے انھیں دعوت و تبلیغ کے لیے مقرر کر دیا"

---

[1] اسلام کی دسویں کتاب الملقب بہ تاریخ لب لباب" مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۰ھ ص ۲۳۲

[2] "تواریخ عجیبہ" مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۱۸۵،

ہمارا بھی یہی خیال ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ منشی محمد جعفر تھانیسری کا مذکورہ بالا بیان کسی غلط فہمی پر مبنی تھا، کیونکہ مولانا خرم علیؒ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے، آپ کے حالات کے مطالعہ اور سید صاحبؒ کی مردم شناسی کے پیش نظر یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ سید صاحبؒ نے موصوف کو دعوت و تبلیغ کے واسطے ہندوستان واپس بھیجدیا تھا، دراصل سید صاحب کا یہی بڑا کمال تھا کہ وہ ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور منصب کے مطابق کام لیتے تھے،

آپ ہندوستان تشریف لائے، ادھر بالاکوٹ کا معرکہ پیش آیا، اور سید صاحب شہید ہوگئے۔ بظاہر تحریک کا خاتمہ ہوگیا، لیکن سید صاحب کے خلفاء نے جہاد سے منہ نہ موڑا اور اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لئے اور قوم و ملت .... کی صلاح اور فلاح کے لیے جو مناسب سمجھا بروئے کار لائے۔ بعض نے جہاد بالسیف ہی کے لیے خفیہ کوششیں جاری رکھیں، اور بعض نے جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کی راہ اختیار کی، اور تصنیف و تالیف اور وعظ و تبلیغ سے اس دعوت کو قائم رکھنے اور دین کو توہمات اور شرک و بدعت سے پاک کرنے کے لیے تادم مرگ جد و جہد کی۔

مولانا مسعود عالم ندوی "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں لکھتے ہیں:

"سید صاحبؒ کے دست مبارک پر بے شمار علماء نے جہاد و اصلاح کی بیعت کی، ایک اچھی خاصی تعداد سرحد کے معرکوں میں کام آئی، دوسروں نے شرک و بدعت کے مٹانے میں بڑی نمایاں خدمتیں انجام دیں، اور بلاشبہ آج اسلامی ہند میں جو کچھ صحیح الخیالی اور اتباع سنت کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ ان ہی ارباب صدق و صفا کی کوششوں کا رہین منت ہے"[1]

[1] "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" مولفہ مولانا مسعود عالم ندوی، مکتبہ ملیہ، راولپنڈی ص ۵۲

مولانا خرم علی معرکۂ بالاکوٹ کے بعد دعوت و اصلاح کی غرض سے مستقل طور پر تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے، چنانچہ بعض کتابوں کا ترجمہ مسلمانوں کی اصلاح اور ترویج سنت کی غرض سے کیا، اور بعض کا احباب کے اصرار سے اور بعض کا اہل مطابع کی فرمایش پر، اخیر عمر میں نواب ذوالفقار علی رئیس باندا نے اپنے یہاں بلایا تھا، اور ان ہی کی فرمایش سے فقہ کی عظیم الشان کتاب در المختار کا ترجمہ شروع کیا تھا،

وہابیت کا الزام بعض علماء نے ان مصلحین کو غلط فہمی کی بنا پر محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کا ہم مسلک اور ہم عقیدہ سمجھا، اور بعض نے عناد کی وجہ سے محض اپنی شہرت اور ناموری کی خاطر ان پر بے بنیاد الزامات لگائے، تاکہ یہ لوگ بدنام ہوں اور تحریک دعوت و اصلاح بھی کامیاب نہ ہوسکے، چنانچہ ان مصلحین کے متعلق مشہور کرایا کہ یہ بزرگوں کے قائل نہیں، نذر نیاز کے منکر ہیں، انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں، حضور کی عظمت کے قائل نہیں، ان کے اعتقادات سلف صالحین کے خلاف ہیں، ان کا تعلق محمد بن عبد الوہاب نجدی سے ہے، اور یہ وہابی ہیں، غدر کے بعد برطانوی حکومت نے اس اختلاف سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور ان کے خلاف اسی حربے کو استعمال کیا، جو سب سے زیادہ کارگر ثابت ہوا، چنانچہ سادہ لوح مسلمان ہی نہیں بلکہ ان کا اچھا خاصہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا،

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوستان میں وہابیت کا کوئی متعین مفہوم اور اس کی کوئی واضح تعریف نہ تھی، بلکہ محض ایک پروپیگنڈا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اس کا مفہوم بدلتا رہا ہے، اور وہابی ہر جگہ جدا جدا معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خاں "روضۃ الخصیب" میں لکھتے ہیں:

"پس اہل بدعت تقویۃ الایمان و نصیحۃ المسلمین و کتاب التوحید و اقتضاء الصراط المستقیم

وامثال ایں رسائل جہاد را کتب مذہب وہابیہ نامیدہ اند، انصاف باید کرد کہ دریں رسائل جہاد کجا است آنچہ ہست بسوے مراتب تقویٰ و طہارت و ہدایت و ارشاد

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنرش در نظر

طرفہ آنکہ تہمت وہابیت در ہر شہر و ہر قطر رنگ دیگر دارد، در دکن وہابی کسے ست کہ مسکرات را مثل سیندھی تارک باشد، و در بمبئی وہابی کسے ست کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ نگوید و در اودھ وہابی کسے ست کہ تقلید مذاہب مروجہ نماید و در دہلی کسے ست کہ گور نمی پرستد و در بدایوں کسے ست کہ معتقد بدعات مشائخ نیست و در حرمین شریفین کسے ست کہ ہم عقیدۂ اہل نجد باشد۔"[1]

مولانا خرم علیؒ کے ابتدائی دور ہی میں یہ اعتراض اتنے عام ہو گئے تھے کہ موصوف کو اپنی تالیفات میں اس کی تردید کرنی پڑی، چنانچہ نصیحۃ المسلمین میں فرماتے ہیں:

بیانِ شرک سن کہتے ہیں مردک — کہ منکر ہیں بزرگوں کے بلاشک

ارے لوگو! زباں اپنی کو روکو — بزرگوں سے نہیں انکار ہم کو

خدا لعنت کرے اس روسیہ پر — کہ جس کے دل میں ہو بغض پیمبر

جسے ہو بغض آلِ مصطفےٰ کا — خدا اس کو کرے دوزخ کا کندا

جسے اصحاب حضرتؐ سے ہو انکار — رہے ہر دم خدا کی اس پہ پھٹکار

جسے کچھ بغض ہووے اولیا سے — ہمیشہ ابر لعنت اس پہ برسے

اب اتنا اور بھی سن رکھیے حضرت — جو حق پر نا چلے اس پر بھی لعنت

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو — اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

[1] الروض الخضیب من تزکیۃ القلب المنیب" مفید عام اکبر آباد ۱۲۹۸ھ ص ۱۰۹

تو اپنے حال میں کچھ سوچ خرم — زباں اب بند کر، واللہ اعلم[1]

مولانا خرم علیؒ اولیاء اللہ کے بڑے عقیدتمند تھے، چنانچہ "شفاء العلیل" کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ میری بھول چوک اور کج فہمی کو بہ برکت ارواح طیبۂ اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کے معاف کرے اور ان حضرات کے نور باطنی سے میرے ظلمتکدۂ دل کو نورانی فرمائے، آمین"[2]

اسی طرح آپ کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور بے حد محبت تھی، جس پر ان کے حسب ذیل اشعار شاہد ہیں،

یا رسول اللہ یا خیر البشر — لیجے مجھ روسیہ کی اب خبر

خود بدولت کے ترحم کے سوا — اب کوئی صورت نہیں آتی نظر[3]

اسی طرح تحفۃ الاخیار کے خاتمہ پر ایک نہایت درد بھری نظم لکھی ہے، جس کا آخری شعر یہ ہے:

یا رب اس عاجز کی دعا کر قبول — خاتمہ بالخیر بحق رسول

شعر و سخن کا ذوق مولانا کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے اور خرم تخلص کرتے تھے، مگر شعر ان کا مشغلہ نہ تھا، بلکہ جو کچھ لکھتے تھے وہ ضرورت سے مجبور اور حالات سے متاثر ہو کر لکھتے تھے، اسی لیے وہ مقبول بھی ہوتا تھا، البتہ ابتدائی دور کی زبان صاف نہیں اور نہ اس میں چنداں شعریت ہے، مگر قبولیت اس کو بھی حاصل رہی ہے، بعد میں جو نصیحت آمیز نظمیں کہی ہیں، ان کی زبان بہت صاف اور رواں ہے، یہی وجہ ہے کہ انھیں قبول عام

[1] نصیحۃ المسلمین، مطبع احمدی امو جان ص ۴۲ [2] شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل، مطبع درخشانی ۱۸۶۱ء ص ۱۲۶

[3] تحفۃ الاخیار، ترجمہ مشارق الانوار، مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۳۰۰ھ ص ۴۹۴

اور شہرت دوام حاصل رہا ہے،

تصانیف اور تالیفات (۱) **نصیحۃ المسلمین**، تقطیع خورد، صفحات ۵۲، مطبوعہ ٹائپ کلکتہ، یہ ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۳ء کی تصنیف ہے، اس رسالہ میں شرک و بدعت کی حقیقت اور اس کی قباحت کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں نہایت وضاحت سے سمجھایا گیا ہے، مولف نے وجہ تالیف اور ترتیب رسالہ کو ابتدا میں یوں بیان کیا ہے،

"بعد سب کے سنا چاہیے کہ اب ہندوستان میں عجب ایک بلا پھیل گئی ہے کہ امت محمدی میں بہت لوگ شرک میں گرفتار ہیں، لیکن اکثر مسلمان بیچارے بسبب بے علمی اور ناواقفی کے لاچار ہیں تو اس واسطے بندۂ عاجز خرم علی کے دل میں آیا کہ اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجئے اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کریے[1] تا ہر ایک کو فائدہ عام ہو، جو مسلمان بھائی کہ عربی نہیں جانتے اس کو

[1] اس جملہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موصوف نے نصیحۃ المسلمین دراصل اردو ہی میں تصنیف کی ہے،

نصیحۃ المسلمین کا ایک فارسی مخطوطہ اسلامیہ کالج پشاور میں بھی محفوظ ہے، جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید موصوف نے یہ کتاب پہلے فارسی میں لکھی ہو اور پھر اس کو اردو کا جامہ پہنایا ہو، لیکن ایسا نہیں، کیونکہ اس کا کوئی ثبوت مخطوطہ سے نہیں ملتا، اس کے برخلاف ایسے شواہد موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نصیحۃ المسلمین کے بعد کسی عالم نے اس کو فارسی کا جامہ پہنایا ہے، وہ شواہد حسب ذیل ہیں:

(۱) کتاب کا سرورق موجود نہیں،

(۲) فارسی مخطوطہ میں خرم کا املا واؤ کے ساتھ خورم ہے، ظاہر ہے کہ اگر موصوف کی لکھی ہوئی ہوتی یا آپ ہی کا کیا ہوا ترجمہ ہوتا تو خرم کا املا واؤ معدولہ کے ساتھ نہ ہوتا، کیونکہ موصوف کی تمام تصنیفات اور تالیفات میں خرم کا املا بلا واؤ ہے۔ (باقی حاشیہ ص ۳۳۵ پر)

سمجھکر شرک کی آفت سے بچیں، اور اپنے پیغمبر کی راہ کو اختیار کریں، اور جو لوگ کہ اس کو بھی نہ سمجھیں اور نہ مانیں تو اپنا سر کھاویں، قبر میں آپ ہی معلوم ہوگا، سنہ لکھے، بارے الحمد للہ کہ سنہ ۱۲۳۸ھ میں یہ رسالہ بن چکا اور اس کا نام "نصیحۃ المسلمین" رکھا اور سب مطلب اس کا پانچ فصلوں میں لکھا[1]"

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) (۳) بعض اشعار کا املا بھی اس طرح لکھا ہے جس سے بعض شعر خارج الوزن ہو جاتے ہیں،

(۴) فارسی مخطوطہ میں سال تصنیف بھی وہ مندرج ہے جو اصل تصنیف کا ہے، یہ بھی اسی امر کی دلیل ہے کہ یہ اردو سے منتقل ہوا ہے،

(۵) یہ بعینہ نصیحۃ المسلمین کا فارسی ترجمہ نہیں ہے، بلکہ مترجم نے مطالب کتاب کو سامنے رکھکر بڑی خوبی سے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے، اس لیے آزاد ترجمہ ہے، لفظی ترجمہ نہیں،

(۶) اردو نظم کا ترجمہ بھی پورا نہیں ہے،

(۷) مخطوطہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مترجم ترجمہ پر نظر ثانی بھی نہیں کر سکے،

(۸) خاتمۃ الکتاب بھی نہیں ہے، جس سے سنہ کتابت اور کاتب کا نام معلوم ہو سکتا،

ان شواہد اور مولانا خرم علی بلہوریؒ کے اس جملہ "اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کریے" سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ موصوف نے "نصیحۃ المسلمین" دراصل اردو ہی میں تصنیف فرمائی تھی،

اب ہم فارسی مخطوطہ سے کچھ عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور اس کے سامنے دوسرے کالم میں اردو کی اصل عبارت بھی لکھتے ہیں، جس سے ناظرین کو اس امر کا خود اندازہ ہو سکے گا،

(فارسی)	(اردو)
لہذا بندۂ عاجز خورم[2] علی را عزم جزم برین	اس واسطے بندۂ عاجز خرم علی کے دل میں آیا کہ
مصمم شد کہ بدی قباحت شرک را از آیات قرآن مجید	اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجئے

(باقی ص ۳۳۶ پر)

[1] "نصیحۃ المسلمین" مطبع احمدی امرجان ص ۲ و ۳ [2] صحیح "خرم" ہے،

یہ کتاب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" کے بعد شرک و بدعت میں سب سے پہلی تصنیف ہے،
اس میں وہی باتیں ہیں جو تقویۃ الایمان میں ہیں لیکن مختصر اور مکمل، انداز بیان نہایت متین اور سلجھا ہوا،
کتاب کے آخر میں ان ہی مطالب کا خلاصہ نظم میں بھی کر دیا ہے، جس نے اس کتاب کو اور بھی دلکش بنا دیا ہے"

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۵) بوجہ حسن ثابت کنم و زیر ہر آیت
ترجمۂ آں از زبان فارسی صاف صاف بیان نمایم
تا ہر مسلمان فارسی خواں فوائد معانی ایں آیات را
فہمیدہ الخ.....

(سال تصنیف)
یکہزار و دو صد و سی و ہشت

(نظم فارسی)

خدا فرمود در قرآن مفسر
ہمہ محتاج اند پیر و پیغمبر[1]
بغیر از من کسے را نیست طاقت
برآورد و م شما را ذرہ حاجت
چو خود محتاج باشند دیگرے را
از ایشاں خواستن حاجت چہ معنی
نہ داند و نہ غیرش خواستن کام
ہمیں ما شرک شد لے دوستانم
ز قرآں شد ہمیں مضموں محقق
کہ ہرگز می نہ بخشد شرک مطلق

اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف
بیان کریے، تا ہر ایک کو فائدہ عام ہو، اور جو مسلمان
بھائی کہ عربی زبان نہیں جانتے اس کو سمجھ کر شرک
کی آفت سے بچیں،
الحمد للہ کہ سنہ بارہ سو اڑتیس ہجری میں یہ رسالہ بن چکا،

(نظم اردو)

خدا فرما چکا قرآں کے اندر
مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
نہیں طاقت سوا میرے کسی میں
کہ کام آئے تمھارے بے بسی میں
جو خود محتاج ہوئے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا؟
خدا سے اور بزرگوں سے بھی کہنا
یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا
خبر قرآں میں ہے یہ محقق
نہ بخشے گا خدا شرک کو مطلق

(باقی ص ۳۳۷)

[1] یہاں صحیح "پیمبر" ہے [2] یہاں صحیح باشد ہے

یہی وجہ ہے کہ بہت مقبول ہوئی، اور بڑی کثرت سے چھپی، پہلے پڑھے لکھے خاندانوں میں اس نظم کا
بڑا چرچا رہتا تھا، بڑی بوڑھیاں اس کو بڑے شوق سے پڑھتی تھیں، چنانچہ محی الدین قادری زور
لکھتے ہیں: "یہ نظم راقم الحروف کے بچپن میں بہت مقبول تھی، اور اس کی ابیات اکثر بوڑھی خواتین کو یاد تھیں[1]"

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۶) معاذ اللہ کسے را کو نہ بخشد
مقرر در جہنم باش لغزد
اگر ایمان بر قرآں دارید
چرا اندر و نیاز پیر آرید
شما را ایں رسوم بد کہ آموخت
محمدؐ کے چراغ شرک افروخت
بلے شیطان سو آل آدم
نشان خود می دہد راہ جہنم
کسے را بت پرستی می نماید
. . . .
غرض ایں ہر دو را از حق جدا کرد
ز راہش بردہ در دوزخ رہا کرد
اب آگے فارسی شعر نہیں ہیں۔

معاذ اللہ جسے اس نے نہ بخشا
مقرر وہ جہنم میں پڑے گا
اگر قرآن کو سچ جانتے ہو
تو پھر تم منتیں کیوں مانتے ہو
تمھیں یہ طور بد کس نے سکھایا
محمدؐ نے کہاں ہے یہ بتایا
ہے شیطاں دشمنِ اولادِ آدم
سکھاتا ہے وہی راہ جہنم
کسی کو بت پرستی ہے سکھاتا
کسی کو ہے وہ قبروں پر جھکاتا
غرض اللہ سے دونوں کو روکا
بھلا کر راہ جا خندق میں جھوکا

نصیحۃ المسلمین کے ان اشعار کی تضمین مولانا محمد انوار اللہ حیدر آبادی المتوفی ۱۳۳۶ھ[2] نے کی تھی،

[1] تذکرۂ اردو مخطوطات، مرتبہ سید محی الدین قادری زور، اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء ج ا ص ۱۷۹
[2] موصوف کے تذکرہ کے لیے ملاحظہ ہو "دکن میں اردو" مولفہ نصیر الدین ہاشمی مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء ص ۶۰۷

اس نظم کے چند شعر یہ ہیں :

مسلمانوں ذرا سوچو تو دل میں — پھنسے ہو کس طرح تم آب و گل میں

بہت غفلت میں سوئے اب تو جاگو — خدا کے ہوتے بندوں سے نہ مانگو

وہ مالک ہے سب آگے اس کے لاچار — نہیں ہے کوئی اس کے گھر کا مختار

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اولیا سے

بقیہ اشعار سابق میں گزر چکے ہیں ،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۷) اور اس کا نام "خدا کی قدرت" رکھا تھا، یہ بظاہر ان اشعار کی شرح معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں مولانا خرم علی کے اشعار کی تردید ہے، چنانچہ مولوی انوار اللہ مرحوم نے اس نظم میں استعانت اولیا، وغیرہ کو جائز قرار دیا ہے، باوجود کوشش وہ نظم ہم کو دستیاب نہ ہو سکی، لیکن اس نظم کی حقیقت اور اس کے مطالب کا خلاصہ اس اعلان سے ہو سکتا ہے جو مفاتیح الاعلام[1] یعنی فہرست افادۂ الامام[ا] کے ساتھ موصوف کی تصنیفات کے تحت نقل کیا گیا ہے، وھو ھذا

"خدا کی قدرت (نظم اردو) صفحات ۸ تقطیع متوسط مطبوعہ مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن، یہ رسالہ تضمین اشعار مولوی خرم علی صاحب مرحوم ہے، جس میں مرحوم نے پردۂ نظم توحید میں حضرت نبینا علیہ الصلوۃ والسلام اور اولیاء اللہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے استمداد کی ممانعت اور تحذیر کی تھی، حضرت مولانا ممدوح نے ان ہی اشعار کی تضمین و تطبیق کے لحاظ سے جواز استمداد کا ثبوت دیا ہے، اگر بظاہر مرحوم کے اشعار کی شرح ہے، لیکن باطن میں منکرین استمداد کا جواب مدلل ہے، جو مفید دکارآمد اہل سنت و جماعت ہے[1]"

حکیم عبدالودود دنسیری نے مولانا خرم علی کی اس نظم پر مسدس کہا جس میں ان ہی اشعار کی

[1] مفاتیح الاعلام مطبوعہ محمود پریس حیدرآباد دکن ج اص ،

نصیحۃ المسلمین" ہی وہ کتاب ہے جس نے موصوف کو اردو لکھنے والوں میں بڑا ممتاز مقام عطا کیا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ سید صاحبؒ کے خلفاء نے جہاں اسلام کی صحیح ترجمانی کی وہاں انھوں نے اردو زبان کو بھی بڑی ترقی دی، چنانچہ غدر سے پیشتر عام طور پر فارسی لکھنے کا رواج تھا، ان بندگان خدا نے اسلام کی ترجمانی کے لیے جو زبان اختیار کی وہ اردو تھی، وہ اردو ہی میں وعظ کہتے اور اسی میں مذہبی عنوانات پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھتے تھے، اور روزمرہ کی نہایت سادہ زبان استعمال کرتے تھے، گو یہ زبان پرانے طرز کی ہے، مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۸) شرح لکھی ہے، اور درپردہ مولانا انوار اللہ مرحوم کے اشعار کا جواب لکھا ہے، یہ نظم جو در اصل جواب الجواب ہے، ہم کو دستیاب ہو گئی ہے، لیکن طویل زیادہ ہے اس لیے قلم انداز کی جاتی ہے،

نصیحۃ المسلمین اپنے ابتدائی دور ہی میں اتنی مقبول ہو گئی تھی کہ سید احمد شہیدؒ کے کسی غیر مقلد بنگالی مرید نے اردو میں اس کا رد لکھا، اور اس کا نام "تنبیہ المضلین" رکھا، یہ کتاب نثر میں ہے، مگر ابتدا میں حمد و نعت نظم میں ہے، اور خاتمہ بھی ایک نظم پر ہے، اس کتاب کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، چنانچہ بلوم ہارٹ کا بیان ہے،

"تنبیہ المضلین" (اس کا آغاز یوں ہے)

فصل اول حمد اور (۲) نعت اور (۳) سبب تصنیف کتاب کا،

معلم اور عالم تو ہے یا رب — جہاں میں ہو سکھایا تیرے سب[1]

ڈولائے بے تیرے تنکا نہ ڈولے — بلائے بن تیرے کوئی نہ بولے[2]

زبان کو خاک سے تو نے بنایا — پھر اس کو بات کرنا بھی سکھایا

[1] مصرعہ ثانی یوں ہونا چاہیے : جہاں میں ہے سکھایا تو نے ہی سب [2] یہ شعر یوں ہونا چاہیے ،

ڈولائے بن ترے تنکا نہ ڈولے — بلائے بن ترے کوئی نہ بولے

احکامات الٰہی کے لیے جتنی سادہ اور سہل زبان لکھی جا سکتی تھی، ان بزرگوں نے لکھی، بلکہ بعض کی زبان تو ایسی صاف و سادہ ہے جو آج بھی سہل ممتنع سے کم نہیں، ان اردو لکھنے والوں میں مولانا خرم علی کا نام بھی بہت ممتاز ہے، اور اس حقیقت کا اعتراف اردو زبان کے تاریخ نگاروں کو بھی کرنا پڑا ہے، رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو میں لکھتے ہیں:

"مولوی اسماعیل صاحب کا مشہور رسالہ تقویۃ الایمان اور نیز دیگر مریدان مولوی سید احمد کی تصانیف مثلاً ترغیب جہاد، ہدایت المومنین

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) اس رسالہ کا مصنف مذہبی مصلح سید احمد بریلوی کا پیرو ہے، جو شاہ عبد العزیز دہلویؒ کے مرید اور شاگرد تھے، اس میں اس نے وہابی نظریہ کی تائید کی ہے کہ (بغیر مجتہدین کی تقلید کے) ہر شخص کو قرآن سے استنباط مسائل میں اجتہاد کا حق حاصل ہے، اور نیز یہ کتاب مولوی خرم علی بلہوری کی تصنیف نصیحۃ المسلمین (۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء) کا جواب ہے"۔

یہ کتاب نثر میں ہے، جس کے شروع میں حمد باری تعالیٰ میں ایک نظم ہے، اور اس کا خاتمہ بھی ایک نظم پر ہے، مصنف نے اپنے دلائل اور براہین کی تائید میں نصوص قرآنی پیش کی ہیں جو خط نسخ میں لکھی ہوئی ہیں، اور خاتمہ پر یہ شعر ہیں:

نہ جاؤں گا کبھی اب مدرسہ میں	نہ شیطان کے پڑوں گا وسوسہ میں
گذشتہ سب گناہ اب معاف کر تو	دے اس عجز پہ الطاف کر تو[1] "[2]

"تنبیہ الغافلین" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بنگال کے اندر اردو عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی،

---

[1] مصرعہ ثانی یوں ہونا چاہیے: دے اس عجز پہ الطاف کر تو،
[2] کیٹلاگ آف ہندوستانی مینسکرپٹ مطبوعہ لندن ص ۷

نصیحۃ المومنین[1]، موضح الکبائر و البدعات، مائۃ مسائل وغیرہ، یہ سب اسی زمانہ کی کتابیں ہیں جو در اصل اشاعت دین کی غرض سے لکھی گئی تھیں، جن سے زبان اردو کو بھی ضرور تقویت پہنچی"[2]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"ایک بہت بڑی تحریک جو ہر چند ادبی نوعیت نہیں رکھتی، مگر اس سے بلا شبہ نثر اردو کو بہت فائدہ پہنچا، اور اس کی تقویت کا باعث ہوئی .... اشاعت مذہب وہابیت کی صورت میں رونما ہوئی جس کی وجہ سے تبلیغ دین کی غرض سے مختلف کتب و رسائل عوام الناس کے فائدے کے واسطے صاف اور سہل زبان میں لکھے گئے"[3]

---

[1] اس کتاب کا صحیح نام نصیحۃ المسلمین ہے، نصیحۃ المومنین نہیں، رام بابو سکسینہ اور بعد کے مصنفین کا نصیحۃ المومنین لکھنا لغزش قلم ہے،

بلوم ہارٹ (Blumhart) نے (کیٹلاگ آف ہندوستانی مینسکرپٹ مطبوعہ لندن ۱۹۲۶ء ص ۸۳ میں) اگرچہ نصیحۃ المومنین کا نام علحدہ بھی لکھا ہے، اور اس کا ایک مخطوطہ بھی انڈیا آفس میں موجود ہے، مگر یہ کوئی مستقل اور جداگانہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ کاتب نے نصیحۃ المسلمین کی آخری نظم ہی کو نصیحۃ المومنین کا نام دیدیا ہے، چنانچہ بلوم ہارٹ لکھتا ہے:

"نصیحۃ المومنین" یہ شرک اور بے دینی کے خلاف ایک نظم ہے، یہ نظم اور مثنوی مولوی خرم علی بلہوری کی ہے، اور ان ہی کی کتاب "نصیحۃ المسلمین" جو ۱۲۳۰ھ کی تصنیف ہے، سے ماخوذ ہے،

اور اس کا پہلا شعر یہ ہے: خدا فرما چکا قرآں کے اندر	مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
اور آخری شعر یہ ہے: تو اپنے حال میں کچھ سوچ خرم	زباں اب بند کر واللہ اعلم

[2] تاریخ ادب اردو ترجمہ مرزا محمد عسکری، طبع سوم نولکشور، حصہ نثر باب ۱۵ ص ۳۰۵
[3] ایضاً ملاحظہ ہو کتاب مذکور، ص ۳۴

رسالہ نصیحۃ المسلمین کی زبان اگرچہ سادہ ہے، لیکن جملوں کی ساخت اور انداز بیان میں قدامت ہے[1]

بلوم ہارٹ کا بیان ہے:

"یہ کتاب سب سے پہلے ۱۸۴۹ء؁ / ۱۲۶۵ھ؁ میں کلکتہ سے چھپی، اور پھر اس کے دوسرے ایڈیشن دہلی، مدراس اور میرٹھ سے شائع ہوئے ہیں"[2]

لکھنؤ میں بھی متعدد بار چھپی ہے، چنانچہ مطبع مصطفائی سے بھی ۱۲۶۸ھ؁ / ۱۸۵۱ء؁ میں متوسط تقطیع پر چھپی ہے، اس نسخہ پر سلطان المطابع کی مہر بھی ہے، یہ نسخہ کپتان مقبول الدولہ بہادر محمد مہدی علی خاں کی نگرانی میں نہایت آب و تاب سے شائع ہوا تھا صحت کے لحاظ سے بے نظیر ہے، ایک نسخہ مطبع احمدی امرجان کا طبع شدہ میرے والد منشی محمد عبد الرحیم خاطر جے پوریؒ کے پاس تھا، جو اب راقم السطور کے پاس ہے، یہ بھی بہت صحیح نسخہ ہے، نصیحۃ المسلمین ۱۲۷۲ھ؁ / ۱۸۵۵ء؁ میں مطبع مصطفائی کانپور سے چھپی تھی، اس کے بعد پھر متعدد مطابع سے شائع ہوتی رہی ہے، (باقی)

---

[1] راقم نے اس رسالہ کی زبان کو ذرا بدل کر جدید انداز میں ڈھال دیا ہے، کتاب میں ذیلی عنوانات قائم کیے، تلمیحات پر مختصر نوٹ لکھے ہیں اور تشریح طلب امور کی وضاحت کی ہے جس سے اس کی افادیت اور بڑھ گئی ہے، انشاء اللہ عنقریب اصح المطابع. کارخانہ تجارت کتب، کراچی کی طرف سے شائع ہو جائے گی۔

[2] کیٹلاگ آف ہندوستانی مینسکرپٹ (فہرست مخطوطات اردو برٹش میوزیم) طبع لندن ۱۹۲۶ء؁ ص ۱۰

مولانا خرم علی بلہوری اور انکی علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ

از مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی، فاضل دیوبند

(۲)

(۲) **تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار**:- یہ امام حسن صغانی لاہوری المتوفی ۶۵۰ھ کی سب سے مشہور کتاب مشارق الانوار کا اردو ترجمہ اور شرح ہے، جو ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء میں تکمیل کو پہنچا تھا، ہندوستان اور پاکستان میں اردو زبان کے حدیث کے تراجم میں[1] اسی کتاب تحفۃ الاخیار

---

[1] متاخرین علماء میں مشارق الانوار کا ترجمہ میر قدرت اللہ قاسم مولف مجموعہ نغز کے استاد محمدی عرف میاں صاحب (جو اپنے نام سے زیادہ اپنے عرف اور تخلص بسمل سے مشہور ہیں) نے بھی کیا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ فارسی میں ہوگا، جیسا کہ اس دور میں عام رواج تھا، ورنہ میر قدرت اللہ قاسم اس امر کی صراحت ضرور کرتے کہ موصوف کا ترجمہ اردو، ہندی یا ریختہ میں تھا، جس کا کہیں ذکر نہیں، ورنہ اولیت کا شرف اسی ترجمہ کو حاصل ہوتا، میر قدرت اللہ قاسم (مجموعۂ نغز طبع پنجاب یونیورسٹی ص ۱۰۴، یادگار شعراء ترجمہ فہرست اسپرنگر طبع الہ آباد، ص ۳۰۸) میں لکھتے ہیں:

"مولوی محمدی صاحب ملقب بہ میاں صاحب عفی اللہ عنہ، حضرت ایشان حبرے بودند، محقق وفعلے بودند مدقق، از علوم عربیہ بہرۂ وافی داشتند واز فنون شرعیہ نصیبے کافی ....

(باقی ص ۴۰۶ پر)

کو اولیت کا شرف حاصل ہے، یہ کتاب سب سے پہلے ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء میں یعنی سنہ تالیف کے تین سال بعد مطبع محمدی میں محمد حسین کے اہتمام سے چھپی تھی، اور ایسی خوبصورت چھپی تھی کہ اس زمانہ میں پندرہ روپے اس کی قیمت تھی،[1]

ہندوستان میں اس سے پہلے نہ اردو میں کوئی کتاب چھپی تھی اور نہ عوام میں حدیث کا کچھ چرچا تھا، موصوف نے سب سے پہلے مسلمانوں کو تعلیمات نبوی سے باخبر کرنے کیلئے اس کتاب کا ترجمہ کیا جو بے حد مقبول ہوا، مولانا خرم علیؒ نے آغاز کتاب میں حدیث کی اہمیت اور ہندوستان میں اس سے بے اعتنائی کو بیان کیا ہے، اور ترجمہ کے لیے اس کتاب کے انتخاب کی وجہ یہ لکھی ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۵)...... ہمیشہ درس شرح وقایہ و ہدایہ و مشکوٰۃ شریف و صحیح بخاری وغیرہ صحاح می دادند ...... از یاران خاص حضرت قدوۃ السالکین مولانا فخر الدین قدس سرہ العزیز اند و چند کتب مستطاب چوں ترجمۂ مشارق الانوار و حبل المتین کہ متنے است بے متین در اخبار سید المرسلین در ردّ احادیث متمسکہ حنفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین است تالیف یافتہ"

مشارق الانوار کے ترجمہ تحفۃ الاخیار کے بعد مولانا محمد احسن نانوتویؒ نے مشارق الانوار کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، لیکن نہ وہ چھپا اور نہ اس کے مخطوطہ کا کچھ پتہ چل سکا، بلکہ اس کا تذکرہ بھی صرف ایک ہی جگہ ضمناً نظر سے گزرا ہے، محمد عبد الباقی سہسوانی، حیوۃ العلماء (طبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۲ء ص ۱۱۰) میں حافظ سید غلام جلانی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"موصوف نے درسیہ معقول و منقول حاصل کیے، مولوی ہدایت علی تلمیذ مولانا فضل حق خیرآبادی سے منطق و فلسفہ و عربیت، و مولانا محمد احسن نانوتوی مترجم درمختار و مشارق الانوار سے دینیات کی تکمیل فرمائی۔"

[1] تحفۃ الاخیار مع فہرست تبصرۃ الابصار مطبع نظامی ۱۲۹۱ھ کا سرورق۔

"حمد و نعت کے بعد دریافت کیا چاہیے کہ علم حدیث اشرف العلوم ہے، اس واسطے کہ اشرف الناس کا کلام ہے، مثل مشہور ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام اور سب علوم دینی اس کے محتاج ہیں، علم تفسیر بدون حدیث کے معتبر نہیں اور علم عقائد اور علم فقہ اور علم سلوک اور علم تاریخ بدون اس کے کچھ سند نہیں، لیکن باوجود اس کے ہندوستان میں اس علم شریف کا چرچا نہیں، عوام کا تو کیا ذکر ہے، اکثر علماء کو خبر نہیں، اس واسطے نہایت مناسب معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی کتاب کا ترجمہ عوام فہم اردو زبان میں کیجیے، سو سب کتابوں سے مشارق الانوار حسن صغانی کی بہت پسند آئی، اس واسطے کہ مختصر کتاب ہے، اور اس کی احادیث کی صحت پر اتفاق ہے، کوئی اس کی ایسی حدیث نہیں، جو غیر معتبر ہو، بخلاف مشکوٰۃ کے کہ اس میں ہر جنس کی روایت ہے، صحیح بھی اور ضعیف بھی، بارے الحمد للہ کہ بارہ سو انچاس ۱۲۴۹ ہجری میں حسب دلخواہ ترجمہ تمام ہوا، اور تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار" اس کا نام مقرر کیا، حق تعالیٰ اپنے کرم سے اس کتاب کو مقبول کرے، اور اہل اسلام کو فائدہ عام بخشے اور بھول چوک کو معاف فرمائے۔" آمین[1]

اس کے بعد کتاب کا مقدمہ ہے، جس میں احادیث کے اقسام اور ان کی تعریف ہے، اس کے بعد امام بخاریؒ اور امام مسلم رحمہما اللہ کے حالات اور کمالات کا تذکرہ ہے، اور پھر حسن صغانی کے حالات اور تالیفات کا ذکر ہے، پھر اپنے ترجمہ کی بابت کچھ ضروری باتیں لکھی ہیں، اصل کتاب کے آغاز سے پہلے حدیث کی اہمیت پر نہایت بصیرت افروز نظم ہے، پھر اصل کتاب کا مع متن ترجمہ ہے، اس کے بعد فوائد کے تحت حدیث کا پورا واقعہ اور اہم امور کی وضاحت ہے، فوائد اگرچہ مختصر ہیں، لیکن بڑے کام کے ہیں، موصوف نے کتاب کی خصوصیت اور ترجمہ کی اہمیت کو ان الفاظ میں

---

[1] تحفۃ الاخیار طبع نولکشور کانپور ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء ص ۲

بیان کیا ہے،

"معلوم کیا چاہیے کہ اس کتاب کے ترجمہ میں چند امور کی رعایت کی ہے، اول یہ کہ مصنف نے اختصار کے واسطے احادیث کے اسناد یعنی راویوں کے نام کو حذف کیا، فقط صحابی کا نام جو اس حدیث کا اول راوی ہے، مذکور کیا، اس طرح ہر حدیث میں اول کتاب کا اشارہ کیا، پھر صحابی کا نام لیا، پھر حدیث کو بیان کیا، اور اختصار کے واسطے ہر حدیث پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا، لیکن مترجم نے ہر حدیث کے ترجمہ میں کہدیا ہے کہ حضرت نے یوں فرمایا اور کتاب کا نام ہر حدیث میں پہلے دیا ہے، تاکہ عوام کو شبہہ نہ پڑے، دوسرے یہ کہ حدیث کا ترجمہ تحت لفظ ترجمہ نہیں کیا، اس واسطے کہ عرب کا محاورہ ہند کے محاورے سے اکثر مطابق نہیں، بلکہ محاورہ مقدم رکھا ہے، مرادی مطلب جابجا لکھا، اور باوجود اس کے حتی المقدور تحت لفظ ترجمے کی بھی رعایت کی ہے، تیسرے یہ کہ اصل غرض اس سے یہ ہے کہ اہل اسلام کو فائدہ عام ہو، یہانتک کہ حرف شناس عوام بھی محروم نہ رہیں، اس واسطے نہایت مشکل مسائل نہیں لکھے، چوتھے یہ کہ اس کتاب کے خطبے کا ترجمہ نہیں کیا، عوام کو اس سے کچھ فائدہ نہ تھا........... مصنفؒ نے کمال اختصار سے ہر جگہ قصہ حدیث کا نہیں بیان کیا کہ حضرت نے یہ حدیث کس وقت کس تقریب سے فرمائی تو اس کا مطلب بخوبی نہیں معلوم ہوتا، اس واسطے حدیث کے ترجمہ کے بعد فائدہ میں اس کا پورا قصہ لکھ دیا، اور جہاں مطلب مجمل اور مشکل تھا اس کو مفصل کر دیا، اور چاروں اماموں کے مذہب جابجا مناسب مقاموں میں بے تعصب لکھے، شیعہ اور اہل بدعت کے شبہات جابجا مجملاً دفع کیے، غرض کہ بحمد اللہ یہ کتاب اہل اسلام کے واسطے عجیب تحفہ ہے، اکثر مطالب دینی کو شامل ہے، جن کے دریافت سے جاہل

عالم بنے اور عالم تازہ لطف اٹھائے، حضرت مولانا عبد القادر دہلویؒ کی ہندی تفسیر اور یہ کتاب طالب خدا کے واسطے کافی ہیں، دیندار کے حق میں یہ دونوں کتابیں گویا دو آنکھیں ہیں، جن سے دو جہاں کا انجام نظر پڑے یا دو پر ہیں جن سے عرش تک اڑ سکے"۔[1]

اس کے بعد حدیث کی اہمیت پر ایک مختصر سی نظم ہے، جو نہایت دلچسپ اور بہت مقبول ہے، ہم بھی اس کے کچھ اشعار یہاں نقل کرتے ہیں جو ناظرین کو پرانی یاد تازہ کریں گے۔

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہو	دروازۂ درجِ مصطفیٰؐ ہے
صوفی عالم حکیم دینی	کرتے رہو اس کی خوشہ چینی
بابا کے یہاں سے کون لایا	جس نے پایا یہیں سے پایا
یہ شاہراہ محمدی ہے	گنجینۂ راز احمدی ہے
ہوتے ہوئے مصطفیٰؐ کی گفتار	مت دیکھ کسی کا قول و کردار
جب اصل ملے تو نقل کیا ہے	یاں وہم و خطا کا دخل کیا ہو
اب زیادہ تو مجھ سے کہ نکل کل	خورشید کے آگے کیا ہے مشعل
ناحق تجھے اور کچھ ہوس ہے	قرآن و حدیث تجھ کو بس ہو
حق ہوگا حدیث خواں سے خرم	ارشادِ رسولِ فخر عالم
تھا علم حدیث سخت مشکل	اور ہند کے لوگ اس سے غافل
چاہا کہ رہیں نہ یہ بھی محروم	ہوا ترجمہ اس سبب سے مرقوم
مقبول ہو یہ کتاب یارب	مشتاق ہوں اسکے اہل دیں سب

ترجمہ اور فوائد کی زبان اگرچہ سادہ اور عام فہم ہے لیکن طرز بیان اور انداز ترتیب میں قدامت ہے،

---

[1] تحفۃ الاخیار ص ۱۔

ترجمہ اور شرح کا نمونہ درج ذیل ہے۔

م سمرة بن جندب والمغيرة   مسلم میں روایت ہے سمرہ بن جندبؓ اور مغیرہ

بن شعبة من حدث عني بحديث   ابن شعبہؓ سے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ جو میری طرف سے

وهو يرى انه كذب فهو احد   روایت کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹی

الكاذبين   حدیث ہے تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

ف: دو جھوٹے یعنی مسیلمہ کذاب اور مختار یا اسود عنسی جنھوں نے پیغمبری کا دعوی کیا تھا، یا یہ مطلب کہ ایک جھوٹا وہ جس ناپاک نے حضرتؐ پر جھوٹ باندھا، دوسرا جھوٹا یہ کہ اس جھوٹی حدیث کو روایت کرتا ہے، جان بوجھ کے، اکثر لوگ جو علم حدیث سے ناواقف ہیں، واہی تباہی حدیثیں نقل کیا کرتے ہیں، جن کی کچھ اصل نہیں، مسلمان کو لازم ہے کہ حدیث میں بہت احتیاط کیا کرے، ہر ایک کتاب کی حدیث کو سچا نہ جانے جو حدیث کی معتبر کتابوں میں ہو اس کو مانے، جیسے کہ یہ کتاب مشارق الانوار ہے کہ سب علمائے اہل سنت اس کو بہت صحیح جانتے ہیں۔[1]

جب موصوف نے مشارق الانوار کا ترجمہ اور شرح مکمل کر لی تو پھر اس کے حسن قبول کے لیے ایک نہایت پر درد نظم کہی ہے، جو پڑھنے کے قابل ہے، اس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

شکر کہ انجام کو پہنچی کتاب   علم احادیث کی لب لباب

چونکہ مطالب تھے براوج فلک   ترجمہ سے آئے اتر ارض تک

یعنی کے اردو کی پہن کر قبا   شاہد تازی ہوا جلوہ نما

دوستو اب اس کا ادا حق کرو   خلق کو سمجھاؤ خود اسکو پڑھو

[1] مشارق الانوار ترتیب فقہی والا ایڈیشن، مرتبہ راقم السطور، نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی

یارب ان اوراق کو مقبول کر   ہند کو اس فیض سے کر بہرہ ور

خرم افسردہ کو پر درد کر   الفت دنیا سے اسے سرد کر

تیری ہی دھن روح کو ہر دم رہے   تیرے غم عشق میں خرم رہو

یارب اس عاجز کی دعا کر قبول   خاتمہ بالخیر بحق رسول

یہاں یہ بتا دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ "تحفۃ الاخیار" میں احادیث پر جو عام فہم اور مفید فوائد لکھے ہیں، وہ ان ہی متداول کتابوں کے مرہون منت ہیں، آپ کا یہی بڑا کمال ہے کہ جو موتی ان متداول کتابوں میں جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے، ان کو ایک ایک کرکے چنا اور نہایت سلیقہ سے ان کو ایک لڑی میں پرو دیا، وہ متداول کتابیں یہ ہیں:

(۱) احیاء علوم الدین، از امام غزالی (۲) استفتاے حرمت نان پاؤ، از عبد العلی بحر العلوم (۳) جامع الاصول از علامہ ابی السعادات ابن الاثیر الجزری (۴) رسالہ شق القمر، از شاہ رفیع الدین دہلوی (۵) شرح البخاری، از جلال الدین عبد الرحمن السیوطی (۶) شرح سفر السعادت، از شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۷) شرح المشارق، از علامہ گاذرونی (۸) شرح معانی الآثار، از امام ابو جعفر الطحاوی (۹) الشفا، از قاضی عیاض (۱۰) عینی شرح الہدایہ، از بدر الدین عینی (۱۱) قوت القلوب، از ابو طالب مکی (۱۲) کیمیاے سعادت، از امام غزالی۔

ان کتابوں میں سب سے زیادہ فائدہ موصوف نے علامہ گاذرونی کی شرح المشارق اور علامہ ابی السعادات کی شہرۂ آفاق کتاب جامع الاصول سے اٹھایا ہے، اور ان ہی دونوں کتابوں کی مدد سے حدیثوں کا پورا پورا ترجمہ فوائد میں نقل کر دیا ہے اور پڑھنے والے کے اس طرح ذہن نشین کرا دیا ہے کہ وہ اس کو پوری طرح قبول ہی نہیں کرتا بلکہ یاد بھی

کردیتا ہے،

بعض مقامات پر علامہ ابو السعادات یا شارح گازرونی نے کسی حدیث کے متعلق جس پر (ق) کی علامت بنی ہوئی تھی یعنی یہ حدیث صحیحین میں مروی ہے، کسی حدیث پر خ کی علامت تھی، کسی پر م کی یعنی یہ حدیث بخاری کی ہے، یہ حدیث مسلم کی ہے، اس کے بارے میں یہ لکھا کہ یہ حدیث مسلم کی ہے، بخاری کی نہیں، یا بخاری کی ہے مسلم کی نہیں، گو ان بزرگوں کا کہنا تحقیق ہی پر مبنی تھا، مگر مولانا نے خود بھی اس کو صحیحین میں تلاش کیا، اور اگر وہ حدیث نہ مل سکی تو بلا تکلف لکھ دیا ہے کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی، چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

اکثر نسخ مشارق کی حدیثوں میں اس حدیث پر قاف کی علامت ہے، یعنی بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث بالاتفاق ہے، حالانکہ یہ صاف خطا ہے، اس واسطے کہ صاحب جامع الاصول اور شارح گازرونی نے لکھا ہے کہ حدیث صرف مسلم میں ہے، بخاری میں نہیں، اور اس عاجز نے بھی صحیح بخاری میں دیکھا، زید بن خالدؓ سے اس میں اس مضمون کی حدیث نہیں پائی، معلوم ہوا کہ کاتب کی غلطی ہے[1]۔

حدیث کی بہت سی کتابوں کے ترجمے شائع ہوئے، لیکن جو قبولیت مشارق الانوار کے ترجمہ تحفۃ الاخیار کو ہوئی، وہ کسی اور کو نہیں، چنانچہ یہ ترجمہ اب تک کم و بیش بیس[2] مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے،

(۱) تحفۃ الاخیار سب سے پہلے ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء میں یعنی سنہ تالیف ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء کے ٹھیک تین سال بعد مطبع محمدی لکھنؤ میں محمد حسین کے اہتمام سے نہایت دیدہ زیب چھپی تھی، اس زمانہ میں اس کی قیمت پندرہ روپے تھی، پھر بھی لوگوں کی طلب باقی رہی، محمد عبد الرحمٰن بن حاجی

[1] تحفۃ الاخیار مطبع نولکشور ص ۱۲۸

محمد روشن خاں (صاحب مطبع نظامی کانپور) کا بیان ہے،

"پہلے یہ کتاب ہدایت نصاب ۱۲۵۲ھ میں باہتمام حاجی محمد حسین مرحوم کے ایسی خوب چھپی کہ فی جلد پندرہ روپے کو بکی"[1]

(۲) ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء میں عبد الملک بن محمد صادق نے مطبع محمدی بمبئی میں چھاپ کر شائع کی، اس کی تقطیع خورد اور صفحات ۴۶۴ ہیں، آخر میں صحتنامہ ہے اور خاتمۃ الکتاب پر یہ عبارت ہے:

"الحمد للہ کہ کتاب مستطاب تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار جو تالیف کی ہوئی واقف دقائق خفی وجلی مولوی خرم علی صاحب دامت فیوضہ کی ہے، تاریخ بست و ہفتم شہر رمضان المبارک ۱۲۶۳ ہجریہ مقدسہ کو جزیرۂ معمورۂ بمبئی میں عاصی عبد الملک بن مولوی محمد صادق مرحوم نے مطبع محمدی میں حلہ اختتام کا پہنایا"[2]

عبد الملک نے یہ کتاب بمبئی میں تین مرتبہ طبع کرائی تھی، چنانچہ ان کا بیان ہے:

"لکھنؤ میں تو صاحب فیض زمان ...... نواب ذو الفقار علی خاں بہادر دام اقبالہ نے چھپوا کر مستحقوں کو للہ تقسیم کیا تھا، لیکن کتاب مذکور پھر نایاب ہو گئی، لہذا عاجز نے جناب ناخدا محمد علی صاحب بن ناخدا محمد حسین روگھے کی تائید اور اعانت سے تیسری مرتبہ معمورۂ بمبئی کے مطبع محمدی میں حلہ طبع پہنایا"

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۲ھ میں جو نسخے حاجی محمد حسین نے چھپوائے تھے، جب وہ سب فروخت ہو گئے اور نادار لوگ نہ خرید سکے تو نواب ذو الفقار علیؒ نے جو مولانا خرم علیؒ کے قدر شناسوں اور عقیدتمندوں میں تھے، اس کو چھپوا کر مستحقوں میں مفت تقسیم کرایا،

[1] تحفۃ الاخیار مع تبصرۃ الابصار، مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۱ھ کا سرورق [2] تحفۃ الاخیار مطبع محمدی بمبئی ۱۲۶۳ھ یہ نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں ہماری نظر سے گذرا ہے، لیکن یہ نسخہ آخر سے ناقص ہے، چنانچہ بعد کی عبارت ہم نے اپنے ایک دوست کے نسخہ سے نقل کی ہے،

(۳) ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں محمد روشن خاں کے بڑے بھائی محمد مصطفےٰ خاں المتوفی ۱۲۶۹ھ نے اپنے مطبع مصطفائی کانپور سے متوسط تقطیع پر دو جلدوں میں چھاپی اور سات روپے قیمت رکھی، اس کے خاتمہ پر یہ عبارت ہے،

"کتاب مستطاب تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار بتصحیح بسیار و اہتمام فروان مقدار در مطبع مصطفائی بندہ امیدوار مغفرت ایزد منان محمد مصطفےٰ خاں خلف حاجی محمد روشن خاں مرحوم واقع دار السرور کانپور محلہ پٹکاپور بتاریخ پانزدہم شہر رمضان المبارک ۱۲۶۷ھ نور بخش طبع گردید و ظلمت آباد جہاں آفتاب عالمتاب ورخشید"[1]

(۴) ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں پھر مطبع مصطفائی سے دو جلدوں میں چھپ کر شائع ہوئی، پہلی جلد ۴۱۲ صفحات اور دوسری جلد ۴۰۵ صفحات پر مشتمل ہے[2]،

(۵) ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء میں مشکوٰۃ المصابیح کے ترجمہ کے حاشیہ پر مطبع محمدی مدراس سے چھپی[3]،

(۶) ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء مطبع مخدومی بمبئی سے چھپکر شائع ہوئی[4]،

(۷) ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں محمد عبد الرحمٰن خاں نے اپنے مطبع نظامی کانپور سے بڑے سائز پر چھاپی جس کے آخر میں فہرست فوائد اور صحتنامہ دونوں موجود ہیں، یہ نسخہ چار روپے فی جلد بکا اور ہاتھوں ہاتھ نکل گیا[5]،

---

[1] یہ نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں ہماری نظر سے گزرا ہے [2] یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ہماری نظر سے گزرا ہے [3] یہ نسخہ انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی کی پنجاہ سالہ جوبلی پر کتابوں کی نمائش میں ہماری نظر سے گزرا ہے، اور اب یہ نسخہ خیر پور پبلک لائبریری میں محفوظ ہے [4] یہ نسخہ سعیدیہ لائبریری ٹونک میں ہے، [5] مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۱ھ کا سرورق ۱۲، یہ نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔

(۸) ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں پھر چھپی ہے،

(۹) ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں مطبع حیدری سے چھپ کر شائع ہوئی، اس کی تقطیع متوسط اور ۶۷۰ صفحات ہیں، ابتدا میں آٹھ صفحوں کی فہرست مضامین بھی ملحق ہے۔

(۱۰) ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں مطبع نظامی کانپور سے بڑے سائز پر چھپی، یہ مع صحتنامہ ۵۲۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس نسخہ کے ساتھ ابتدا میں فہرست تبصرۃ الابصار بھی چھپی ہے[1]۔

(۱۱) ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں مطبع نولکشور کانپور سے چھپی، سائز کلاں اور صفحات ۴۱۵ ہیں[2]،

(۱۲) ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں محمد تیغ بہادر کے زیر اہتمام مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے کلاں سائز پر چھپی اور ۴۹۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس نسخہ کی ابتدا میں نہ فہرست ابواب ہے، اور نہ فوائد کی فہرست فارسی میں ہے،

(۱۳) ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں مطبع نولکشور سے پھر چھپی[3]،

(۱۴) ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں مطبع فخر المطابع لکھنؤ سے کلاں سائز پر چھپی، یہ مع فہرست ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۵) ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں مطبع نولکشور سے کلاں سائز پر چھپی، اور ۵۳۳ صفحات پر مشتمل ہے،

(۱۶) اب نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی نے متوسط تقطیع کے ۴۱۴ صفحات پر شائع کی ہے،

(۳) **رسالہ جہادیہ** - یہ مولانا کی ۷۵ اشعار کی اردو میں ایک رزمیہ نظم ہے، پہلے ہی شعر میں فرماتے ہیں،

---

[1] مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۱ھ کا سرورق، یہ نسخہ کتبخانہ خاص انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی میں ہماری نظر سے گذرا ہے،

[2] تحفۃ الاخیار کا یہ نسخہ میرے والد منشی عبد الرحیم خاں خارجپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا، مشارق الانوار کی ترتیب فقہی کے زمانہ میں شروع سے آخر تک بس یہی ایک نسخہ میرے پیش نظر رہا ہے اور آج بھی یہ نسخہ میرے پاس ہے،

[3] فہرست سبحان اللہ اورینٹل لائبریری مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۳۵۱ھ ج ۲ ص ۶۹

بعد تحمیدِ خدا ، نعتِ رسولِ اکرم ۔۔۔ یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم

اس میں پہلے جہاد کی تعریف اور اس کے فضائل بیان کیے ہیں، اور اس میں شرکت کی دعوت دی ہے، پھر اپنے زمانہ کے نام نہاد مولویوں کو جو جہاد سے گریزاں تھے، ابھارا ہے، اس کے بعد فقہا، علما، اور صوفیا سے درخواست کی ہے کہ یہ کام تمھارے کرنے کا ہے، اٹھو اور جہاد میں شرکت کرو، اس نظم میں اگرچہ چنداں شعریت نہیں ہے، مگر نظم نہایت موثر اور بڑی ہمت آفریں ہے، اس نے سوتوں کو جگایا اور مردہ دلوں کو گرمایا ہے، اس نظم نے سید صاحبؒ کی تحریک میں وہی کام کیا جو آگ پر تیل کرتا ہے،

جہاد کے زمانہ میں اس کا بڑا چرچا تھا، اور ہر طرف یہی نظم پڑھی جاتی تھی، ہنٹر (Hunter) ہندوستانی مسلمانس (The Indian Musalmans) میں لکھتا ہے،

"اور ان کا سب سے ہر دلعزیز گیت (نظم، جس میں وہی جہاد) اسلامی کی روح کارفرما تھی، یہ باغی (مجاہدین، ہماری سرحدی چھاؤنیوں سے صبح و شام مرپیڈ کرتے اور اسی گیت اور نظم کو اک آواز ہو کر بڑے زور سے گاتے اور پڑھتے جاتے تھے، اور ان رنگ روٹوں (نو آموز مجاہدوں) کی جماعتیں جو ہمارے علاقہ کے شمالی حصہ سے گزرتیں، وہ اس نظم کے بندوں کو برطانوی شاہراہوں سے پڑھتے ہوئے گزرتی تھیں"[1]

یہ نظم بنگال تک کے مجاہدین اپنی روانگی کے وقت بڑے جوش و خروش سے پڑھتے تھے، چنانچہ مولانا محمد اکرم خاں اپنے "خطبۂ صدارت" میں لکھتے ہیں :-

"میں اس موقعہ پر رسالہ جہادیہ سے ایک شعر نقل کرتا ہوں ......

یہ شعر میں نے اپنی ہفتاد سالہ نانی کی زبان سے سنا تھا،

[1] "ہندوستانی مسلمانس" بار سوم طبع جدید کلکتہ ۱۹۴۵ء، ص ۵۹

واسطے دین کے لڑنا نہ پئے طمعِ بلاد ۔۔۔ اہلِ اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد

یہ مجاہدین، بنگال کے مختلف گوشے سے جوق در جوق میری سابق بستی حکیم پور میں جمع ہوتے تھے، اور وہاں سے رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے راج محل اور بھاگلپور کی راہ عظیم آباد اور پھر وہاں سے سرحد روانہ ہو جاتے تھے"[1]

یہ نظم سید صاحبؒ کی موجودگی میں بھی متعدد بار پڑھی گئی، اور آپ نے بڑے شوق سے اس کو سنا چنانچہ جس وقت آپ نے تورو سے پشاور کا قصد فرمایا، اس وقت یہ نظم پڑھی جا رہی تھی، اس موضوع پر اور بزرگوں نے بھی نظمیں اور مثنویاں کہیں، مگر جو قبولیت اس نظم کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور کو نہیں ہوئی،

یہ رسالہ غدر سے پیشتر مولانا شیخ مسیح الزماں المتوفی ۱۲۹۵ھ نے اپنے مطبع مسیحائی کانپور سے قصہ اصحاب کہف کے ساتھ شائع کیا تھا، برطانوی حکومت نے بعد میں اسکو باغیانہ قرار دیکر اس کی طباعت ممنوع قرار دیدی[2]، مگر اس کے باوجود یہ نظم لوگوں کے حافظوں میں برابر محفوظ رہی، پھر مجاہدین چمرقند نے ۱۹۴۶ء میں چھاپ کر شائع کی اور مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "سید احمد شہید" میں اس کو نقل کیا ہے، تاہم اس کے کچھ اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں،

بعد تحمیدِ خدا ، نعتِ رسولِ اکرمؐ ۔۔۔ یہ رسالہ ہے جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم

واسطے دین کے لڑنا نہ پئے طمع بلاد ۔۔۔ اہل اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد

ہے جو قرآن واحادیث میں خوبی جہاد ۔۔۔ ہم بیان کرتے ہیں تھوڑا سا اسکو کر یاد

[1] خطبۂ صدارت شعبۂ تاریخ اسلام پاکستان ہسٹری کانفرنس اجلاس چہارم مطبوعہ کراچی ۱۹۵۴ء ص ۱۹

[2] "ہنٹر" نے اپنی کتاب "ہندوستانی مسلمانس" (ص ۹۰) میں اس کے بیشتر اشعار کا ترجمہ بھی کر دیا ہے لیکن آپ کا نام کرم علی (Karam Ali) کانپوری لکھا ہے، جو صحیح نہیں، آپ کا نام خرم علی ہے،

فرض ہے تم پر مسلمانوں جہاد کفار — اس کا سامان کرو جلد اگر ہو دیندار

جس کے پیروں پہ پڑے گرد صفِ جنگِ جہاد — وہ جہنم سے بچا، نار سے ہے وہ آزاد

جو مسلمان رہ حق میں لڑا لحظہ بھر — روضۂ خلد بریں ہو گیا واجب اس پر

اے برادر تو حدیث نبوی کو سن لے — باغ فردوس ہے تلواروں کے سائے تلے

دل سے اس راہ میں پیسہ کوئی دیویگا گر — سو سو اس کو خدا دیویگا روز محشر

اور اگر مال بھی خرچا اور لگائی تلوار — پھر تو دیویگا خدا اسکے عوض سات ہزار

مال و اولاد کی جورو کی محبت چھوڑو — رہِ مولیٰ میں خوشی ہو کے شتابی دوڑو

بارہ سو سال کے بعد ایسے ارادے والا — ہوا پیدا ہے مسلمانوں کرو شکر خدا

حضرت مولوی اب طاق میں رکھدیجے کتب — لیجئے تلوار و میدان کو چل دیجئے شتاب

ہادی دین ہو تم، تم کو ہے سبقت لازم — تم چلو گے تو بہت ساتھ چلیں گے خادم

اے گروہِ فقرا نفس کشی کے استاد — عمل نفس کون ہے بہتر ز جہاد

ان کا سر کاٹ لیا کہ کٹا اپنا سر — دونوں صورت میں جو سمجھو تو تمہیں ہو بہتر

اے خداوند سماوات و زمین، رب عباد — اب مسلمانوں کو دے جلد سے توفیق جہاد

ہند کو اس طرح اسلام سے بھر دے اللہ — کہ نہ آئے کوئی آواز جز اللہ اللہ[1]

اسی نام اور اسی مضمون کی ایک مثنوی فارسی میں بھی ہے، مولانا غلام رسول مہر کا خیال ہے کہ یہ رسالہ بھی آپ کی تصنیف ہے، چنانچہ "سید احمد شہید" (ج ۲ ص ۲۳) میں لکھتے ہیں،

"مولوی خرم علی بلہوری ناظم جہادیہ فارسی اردو و مصنف کتب عدیدہ"

فارسی مثنوی میں چونکہ تخلص حسن آگیا ہے، اس لیے نقل کے وقت اپنی "تازہ تالیف

---

[1] سید احمد شہید (کتاب منزل لاہور) ج ۲ باب ۲۷ ص ۲۵۸

"جماعت مجاہدین" (ص ۲۹۹) میں تردد کا اظہار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں،

"ایک جہادیہ کسی صاحب نے فارسی میں بھی نظم کر دیا تھا، اس میں ناظم کا نام یا تخلص حسن بتایا گیا ہے بعض اصحاب کے نزدیک یہ جہادیہ بھی مولوی خرم علی کا ہے، لیکن انھوں نے حسن تخلص کبھی استعمال نہ کیا، ممکن ہے یہ جہادیہ اس بزرگ نے مرتب کیا ہو جس نے ایک قصیدہ سفر حج سے مراجعت کے موقع پر پیش کیا تھا، اور اس کے منتخب اشعار "سید احمد شہید" میں درج ہو چکے ہیں،

ہمارا خیال ہے کہ یہ مثنوی مولانا اولاد حسن قنوجی کی ہے، جو سید احمد شہید کے اجلۂ خلفاء میں سے تھے، اور فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے، ان ہی کا نام اور تخلص حسن تھا، چنانچہ آپ کے نامور فرزند نواب صدیق حسن خاں قنوجی اتحاف النبلاء ص ۲۳۷ میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"نام خود را در تصانیف و مکاتیب بر طریقۂ عرب حسن می نوشتند نہ اولاد حسن"

یہی وجہ ہے کہ بیشتر اہل قلم کو آپ کے نام میں دھوکہ ہوا ہے، اور انھوں نے اولاد حسن قنوجی اور حسن قنوجی کو دو جداگانہ شخصیتیں سمجھا ہے،

سید اولاد حسن قنوجیؒ نے مولانا خرم علی بلہوری کی تقلید میں بعض چیزیں لکھی تھیں، جن میں ہو بہو مولانا کا ایسا چربہ اتارا ہے کہ اگر تخلص کو بدل دیا جائے تو تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے، چنانچہ نصیحۃ المسلمین کے سال بھر بعد سید اولاد حسن قنوجی نے "ہدایۃ المومنین" لکھی جس میں نصیحۃ المسلمین ہی کا انداز اختیار کیا ہے، اور اس کا اعتراف بھی کیا ہے کہ ہم نے نصیحۃ المسلمین دیکھی، اس میں چونکہ تعزیے وغیرہ کی قباحت کو تفصیل سے نہیں بیان کیا گیا ہے اس لیے ہم نے ہدایت المومنین لکھی اور جس طرح "نصیحۃ المسلمین" کا خاتمہ نظم پر ہے،

اسی طرح اس کا خاتمہ بھی نظم پر ہے، مضمون بھی واحد ہے، اور مقطع بھی دونوں کا یکساں ہی، صرف بحر اور قافیہ کا فرق ہے، دونوں کے مقطعے درج ذیل ہیں۔

مولانا سید اولاد حسن قنوجی	مولانا خرم علی بلہوری
حسن خاموش ہو اتنا بہت ہے	تو اپنے حال میں کچھ سوچ خرم
جسے چاہے خدا دیوے سمجھائی	زباں اب بند کر واللہ اعلم

چونکہ دونوں بزرگوں کے پیش نظر محض شاعری نہ تھی، بلکہ حقائق کو دلنشین اور سادہ الفاظ میں اس غرض سے نظم کرنا تھا کہ اشعار آسانی سے یاد بھی رہ سکیں، اور ان کے ذریعہ جہاد کی حقیقت اور اس کا مقصد بھی ذہن نشین ہو جائے، اس لیے ان دونوں کتابوں کے مضامین میں تنوع نہ پیدا ہو سکا اور بعض لوگوں کو اشتباہ ہو گیا اور انھوں نے اختلافِ تخلص کے باوجود اس کا انتساب مولانا خرم علی بلہوری کی طرف کیا جو بداہۃً غلط ہے،

رسالہ جہادیہ پر غور کیجئے، اس میں بھی مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا مضمون ایک مقصد اور جذبہ بھی ایک ہی تھا، پھر مولانا خرم علی کا جہادیہ پہلے سے مشہور ہو چکا تھا، اس کے مضامین مولانا اولاد حسن قنوجی کے ذہن میں تھے، چنانچہ انھوں نے جو مثنوی لکھی اس میں اس رسالہ جہادیہ کا چربہ اتارا، یہی وجہ ہے کہ فارسی مثنوی اردو مثنوی سے دگنی ہو گئی، اردو کی مثنوی ۷۰ شعروں پر مشتمل ہی اور فارسی مثنوی میں ۱۱۱ اشعر ہیں،

اسی جہاد کے موضوع پر حکیم مومن خان مومن المتوفی ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) نے فارسی اور اردو میں متعدد مثنویاں لکھیں جو ان کے فارسی اور اردو دیوانوں میں پائی جاتی ہیں، اور مولانا غلام رسول مہر نے بھی "جماعت مجاہدین" میں ان کو نقل کر دیا ہے، مگر جو شہرت اور مقبولیت مولانا خرم علی بلہوری کے "رسالہ جہادیہ" کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نہیں ہو سکی

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں	یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

(باقی)

مولانا خرم علی بلہوری اور ان کی علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ

از
مولانا محمد عبدالحلیم صاحب چشتی، فاضل دیوبند،

(۳)

(۴) **غایۃ الاوطار ترجمہ درالمختار**: یہ فقہ حنفی کی نہایت مشہور اور معتبر کتاب درالمختار کا اردو ترجمہ ہے غایۃ الاوطار، اگرچہ ترجمہ کے نام سے مشہور ہے، مگر حقیقت میں یہ ترجمہ اتنا جامع ہے کہ گویا شرح کا کام دیتا ہے، چنانچہ مطبع اودھ اخبار کی طرف سے جو دیباچہ اس کتاب میں ہے اس میں اس کی جانب نہایت لطیف اشارہ ہے،

"الحمد للہ والمنہ کہ یہ اردو ترجمہ درمختار جس کو عالم المعی فاضل لوذعی مولوی خرم علی صاحب مرحوم نے طحطاوی اور حاشیہ مدنی کے ساتھ ترجمہ کیا تھا[1]"

یہی وجہ ہے کہ حضرت مترجم اپنی تیرہ سالہ متواتر کوشش کے باوجود اس کو پایۂ تکمیل تک نہ پہونچا سکے، اگر صرف ترجمہ ہی کرنا ہوتا، تو یہ کام اس سے پیشتر کبھی کا ہو جاتا، اور اتنا عرصہ ہرگز نہ لگتا،

یہ ترجمہ بھی موصوف نے نواب ذوالفقار علی بہادر رئیس باندا کی فرمایش پر ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء میں شروع کیا تھا،

ترجمہ کی تکمیل کس طرح ہوئی، اس کے متعلق مولانا محمد احسن نانوتوی ؒ کا حسب ذیل بیان

[1] غایۃ الاوطار ترجمہ درالمختار طبع سوم نولکشور ۱۳۱۰ھ ج ۱ ص ۲،

پڑھنے کے قابل ہے،

" اس کتاب جلیل الشان کو مرحوم خرم علی صاحب بلہوری نے حسب فرمایش نواب صاحب بہادر مبرور والی باندہ ۱۲۵۸ھ میں کتاب النکاح سے اردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا، متواتر تیرہ برس ترجمہ کرکے رجب ۱۲۷۰ھ میں آخر کتاب تک پہنچا دیا، پھر محرم ۱۲۷۱ھ تک کتاب کا ترجمہ پورا کرکے شروع سے باب الاذان تک لکھنے پائے تھے، کہ یکایک رہگرائے عالم بقا ہوئے[1]"

درالمختار جیسی بلند پایہ کتاب کا ترجمہ مولانا موصوف کا بہت اہم کارنامہ ہے، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنھیں کبھی ایسے کام کرنے کا اتفاق ہوا ہے، ترجمہ اگرچہ بہت سلیس نہیں لیکن بڑا عالمانہ ہے، اس کا نمونہ یہ ہے،

درمختار	اردو ترجمہ
والمُباح ما اجیز للمکلفین فعلہ وترکہ بلا استحقاق ثواب وعقاب نعم یحاسب علیہ حساباً یسیراً کذا فی الاختیار،	اور مُباح وہ فعل ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے کی مُکلف لوگوں کو اجازت ہو، بلا استحقاق ثواب اور بلا ترتب عتاب، ہاں البتہ یہ ہے کہ مُباح پر کچھ ہلکا سا حساب ہوگا، کذا فی الاختیار، م، عدم ثواب اور عذاب درصورت عدم نیت کے ہے، اور اگر مباح میں عبادت کی نیت کرے تو ثواب ہوگا، اور اگر گناہ کی نیت کرے تو عذاب ہوگا، قال

[1] ایضاً ملاحظہ ہو، کتاب مذکور ص ۳۔

صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات ،

کل مکروہ ای کراھۃ تحریم حرام ای کالحرام فی العقوبۃ بالنار عند محمد و اما المکروہ کراھۃ تنزیہ فالی الحل اقرب اتفاقا ،

جو مکروہ تحریمی ہے وہ حرام کے مانند ہے دوزخ کے عذاب میں محمد کے نزدیک اور مکروہ تنزیہی تو حلال کی طرف نزدیک تر ہے، باتفاق امام اور شیخین کے ،

م، حرام وہ ہے جو بدلیل قطعی یقینی ممنوع ہوا، اور اس کا ترک فرض ہے، چنانچہ شراب پینا اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو بدلیل ظنی ممنوع ہوا اور اس کو ترک کرنا واجب ہے، جیسے سوسمار کا کھانا اور شطرنج کا کھیلنا، تو امام محمد جب اپنی کتابوں میں کراہت بولتے ہیں، تو اس سے حرام مراد رکھتے ہیں، اور مکروہ تحریمی کو حرام نہیں کہتے، اس واسطے کہ اس کی دلیل قطعی نہیں، جو حرمت پر دلالت کرے، تو جس کی حرمت دلیل غیر قطعی یعنی خبر احاد یا قول صحابی سے

ثابت ہے، اوس کو مکروہ کہتے ہیں، اور یہ جو کہا کہ مکروہ تنزیہی حلال سے نزدیک تر ہے، یعنی اوس کے کرنے والے پر اصلا عذاب نہیں، لیکن اس کا تارک کچھ تھوڑا ثواب پاوے گا، کذا فی الطحطاوی [1]،

مولانا کے پاس چونکہ قلمی کتابیں تھیں، اس لئے کہیں کہیں ترجمہ میں دشواری ہوئی، چنانچہ آپنے بعض عبارتوں کا ترجمہ چھوڑ دیا تھا، اور حاشیہ پر لکھدیا تھا کہ اس کا ترجمہ تامل کے بعد لکھا جائیگا مگر مولانا محمد احسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب باقی حصہ کا ترجمہ کیا، تو انھوں نے چھوٹے ہوئے حصوں کا ترجمہ بھی کر دیا

یہ مولانا محمد احسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا احسان ہے، کہ انھوں نے اس ناقص ترجمہ کو مولانا خرم علیؒ کے ورثا سے خرید کر مکمل کیا، اور تصحیح کرکے چھپوایا،

پہلی بار یہ کتاب موصوف نے چند احباب کی شرکت میں چھپوائی تھی، لیکن سوء اتفاق سے ان میں سے بعض کا انتقال ہوگیا، اور کتاب کے چھپنے میں کھنڈت پڑگئی، آخر نواب کلب علی خاں کی امداد سے پھر طباعت کا کام شروع ہوا، اور پوری چار جلدیں چھپ کر منظر عام پر آگئیں، اور منشی نولکشور کے مطبع میں بار بار چھپیں، اور اب تک چھپتی رہتی ہیں،

۵۔ **شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل**: یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عربی کتاب "القول الجمیل فی بیان سواء السبیل" کا اردو ترجمہ اور مختصر شرح ہے، یہ تصوف کے

---

[1] غایۃ الاوطار ج ۴ ص ۱۹۲۔

اشغال وتعلیمات بیعت کے شرائط اور سلاسل صوفیہ پر نہایت مفید کتاب ہے، یہ ترجمہ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، چنانچہ موصوف نے خاتمۃ الکتاب میں لکھا ہے،

"مترجم کہتا ہے الحمد للہ کہ اس کے حسن توفیق سے ترجمہ قول الجمیل کا چھبیسویں ربیع الآخر بارہ سو ساٹھ (۱۲۶۰ھ) میں پورا ہو گیا"

اس کتاب کا ترجمہ مولانا نے بعض عزیز دوستوں اور مخلص احباب کی فرمائش پر کیا تھا، چنانچہ آغاز کتاب میں لکھتے ہیں :-

"امابعد عاجز بندہ و گناہوں سے شرمندہ خرم علی عفی اللہ عنہ، خدمات اہل دین میں عرض کرتا ہے کہ بعض مخلص احباب نے فرمائش کی کہ کتاب مستطاب "قول الجمیل فی بیان سواء السبیل" تصنیف عالم ربانی، مرتاض حقانی، عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ترجمہ اردو میں کرے"،

آگے ترجمہ کی نوعیت اور فوائد کی ضرورت کے متعلق لکھتے ہیں :-

"اب معلوم کرنا چاہئے کہ ترجمہ اس کتاب میں محاورہ مقدم رکھا، گو اصل کے تراجم الفاظ میں تقدیم اور تاخیر واقع ہو، اس واسطے کہ ترجمہ کرنے سے سہولت فہم مقصود ہے، سو ترجمہ تحت اللفظ میں حاصل نہیں، اور جو حواشی مصنف قدس سرہ اور اُن کے خلف الرشید علامۂ عصر، مسند دہر مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے اس کتاب پر صحیح پائے، مزید توضیح اور تکثیر فوائد کے واسطے ان کا ترجمہ بھی ذیل فوائد میں مندرج کر دیا، جہاں کہیں مولانا کا لفظ آوے تو مولانا شاہ عبدالعزیزؒ مراد ہوں گے، اس کا نام شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل رکھا، حق تعالیٰ اس ترجمہ کو اپنے مزید کرم سے مقبول فرما دے، اور مترجم اور صاحب فرمائش اور سائر اہل دین کو اس کتاب کی برکات سے فائدہ مند کرے آمین"

مترجم کی یہ دعا قبول ہوئی، اور یہ کتاب بھی بارہا چھپی، اور کثرت سے شائع ہوئی، ترجمہ کی زبان اگرچہ قدیم ہے، مگر سہل ہے، ترجمہ کا نمونہ یہ ہے۔

متن عربی	ترجمہ اور شرح اردو
ولعلّك تقول اخبرنی عن	اور شاید کہ اے مخاطب تو کہے گا کہ مجھکو
البیعۃ ماھیَ واجبۃ امّ	بیعت کا حکم بتائیے کہ کیا ہے واجب ہے
سنۃ ثمّ ما الحکمۃ فی	یا سنت، پھر بیعت کے مشروع ہونے
شرعھا ثم ما شرط من	میں حکمت کیا ہے پھر بیعت لینے والے کی شرط کیا ہے پھر
یاخذ البیعۃ ثم ما شرط	بیعت کرنے والے کی شرط کیا ہے پھر بیعت کو توڑنا یعنی
المبایع وما نکثہ ثم ھل	بیعت کس کو کہتے ہیں، اور عہد شکنی کیا ہے
یجوز تکرار البیعۃ من عالم	پھر جائز کیا ہے مگر کرنا بیعت کا ایک عالم
واحد او علماء کثیرین ثم	یا علماء کثیر سے یا جائز نہیں پھر کون الفاظ
ما اللفظ الماثور عند البیعۃ	منقول ہیں سلف سے بیعت کے وقت؛
فاقول اما المسئلۃ الاولیٰ	سو میں کہتا ہوں ساتوں سوالات
فاعلم ان البیعۃ سنۃ ولیست	کے جواب مفصلاً پہلے سوال جواب کو تو
بواجبۃ لان النّاس بایعوا	یوں سمجھ لے، کہ بیعت سنت ہے، واجب
النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم وتقربوا	نہیں، اس واسطے کہ اصحاب نے رسول
بھا الی اللہ تعالیٰ ولم یدلّ	کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اور
دلیل علیٰ تاثیم تارکھا ولم	اس کے سبب سے حق تعالیٰ کی نزدیکی چاہی،
ینکر احد من الائمۃ علیٰ	اور کسی دلیل شرعی نے تارک بیعت کے گنہگار

تارکِ ایشاں کا لاجماع علیٰ انہا لیست بواجبۃ، ہونے پر دلالت نہ کی، اور ائمۂ دین نے تارکِ بیعت پر انکار نہ کی، تو یہ عدمِ انکار گویا اجماع ہو گیا، اس پر کہ وہ واجب نہیں،

ف: اور اگر بیعت تقویٰ کی واجب ہوتی تو بالضرور اس کے تارک پر انکار وارد ہوتی، تو معلوم ہو گیا کہ بیعت سنّت ہے، کہ حقیقت سنّت بھی ہے کہ فعل مسنون بلا دلیل وجوب تقرب الی اللہ کا موجب ہے،[1]

یہ بتانا تو مشکل ہے، کہ پہلی بار یہ کتاب کس مطبع میں چھپی، ایک نہایت قدیم نسخہ جو مطبع درخشانی میں چھوٹے لعل کے زیر اہتمام ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء کا چھپا تھا، میرے والد مرحوم کے پاس تھا، جواب احقر کے پاس ہے، یہ متوسط تقطیع کے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، اور صحت میں اپنی نظیر آپ ہے،

شفاء العلیل ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں مطبع حیدری بمبئی سے چھپی، اور متوسط تقطیع کے ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے خاتمۃ الکتاب پر جو عبارت ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب اس سے پہلے بھی متعدد بار چھپی ہے، عبارت یہ ہے،

"حسن اہتمام سعی بلیغ کے جناب قاضی ابراہیم بن قاضی نور محمد صاحب کے در مطبع حیدری واقع بمبئی میں ۲ رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ کو چھاپی، ہرچند کہ اغلاط اعراب والفاظ کہ جو نسخہ مطبوع سابق میں بمقتضائے بشریت کے باقی رہتے تھے، کئی نسخے بہم پہنچا کر متعدد درست ہوئے،[2]

---

[1] شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل مطبع درخشانی ص ۹ - [2] شفاء العلیل، مطبع حیدری بمبئی ۱۲۸۷ھ ہجری ص ۱۰۶، یہ نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو (پاکستان)، کراچی میں ہماری نظر سے گذرا،

(۶) ترجمہ شہادتین: یہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے عربی رسالہ "سر الشہادتین" کا اردو ترجمہ ہے، یہ ترجمہ مع متن ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہوا ہے لیکن ترجمہ کے متعلق اس رسالہ میں کوئی تفصیل نہیں ملتی، ہم نے اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں دیکھا ہے جس میں صرف اردو ترجمہ ہے متن نہیں، یہ ترجمہ مولانا نے نواب ذوالفقار علی رئیس باندا کی فرمایش پر ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں کیا تھا، جیسا کہ ابتدا میں لکھتے ہیں،

"حمد بیشمار اس حاکم با اقتدار کو کہ جس کے بھید سے کوئی خبر نہیں اور اس کے تیر قضا کے بجز صبر و شکیبائی کے کوئی سپر نہیں، اور ہزاروں درود اس کے نبی کریم پر کہ جس نے اعلائے دین سے کیا کیا صدمے اٹھائے، اور اس کے آل و اصحاب پر جن سے حق بندگی کا کیا خوب ادا ہوا، یہاں تک کہ اس کی راہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے، اور زخم پر زخم کھائے، بعد اس کے سُنا چاہیئے، کہ رئیس العلماء مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شہادتِ امام حسن و حسین علیہما السلام میں عجب تقریر دلپذیر فرمائی کہ آج تک کسی عالم دانشمند کے خیال میں نہیں آئی، خلاصہ اس کا یہ ہے،

شہادت حسین درحقیقت شہادت نبی الثقلین ہے، اور اس مدعا کو نہایت خوبی اور لطافت سے ثابت کیا ہے، ازبسکہ رسالہ نادرہ روزگار عربی تھا، مقدام[1] والا مقام نامدار سردار بحر و بر جناب نواب ذوالفقار علی بہادر دام اقبالہ نے راقم الحروف عاجز خرم علی سے ارشاد فرمایا کہ اگر اس کا ترجمہ ہندی میں ہو جائے، تو ہر شخص اس کا لطف اٹھائے چنانچہ بموجب ارشاد کے عمل میں آیا، اور خلاصہ مطلب ترجمہ میں ہندی محاورے کے

---

[1] افسوس یہ نسخہ نہایت غلط ہے، املا کی غلطیاں کثرت سے موجود ہیں، چنانچہ مقدام والا کو خدام والا مقام لکھا ہے، اسی طرح خط شکست میں "عاجز خرم علی" ہوگا، جس کو مرد ہی "خورم علی" لکھا ہے،

موافق کر کے جہاں مجمل تھا اس کو مفصل کیا تاکہ ہر شخص بے تکلف مطالب کو پوچھے، اور کسی کا دل نہ الجھے، بارے الحمد للہ کہ ماہ محرم سنہ ۱۲۲۶ھ[1] میں انجام کو پہنچا، اور ترجمہ شہادتین اس کا نام رکھا"

رسالہ سر الشہادتین مطبع مصطفائی سے پہلے کسی مطبع میں چھپا تھا، لیکن اس میں متن کے بہت اغلاط تھے، اس لئے محمد مصطفےٰ خان مالک مطبع مصطفائی المتوفی سنہ ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء نے پھر اسکو اپنے مطبع میں مولانا خرم علی بلہوریؒ کے اردو ترجمہ کے ساتھ چھاپا، لیکن مولانا خرم علیؒ کے نسخہ میں متن کی عبارت کم تھی، اس نسخہ میں بقیہ متن کا اضافہ کر دیا[2]، جیسا کہ محمد مصطفےٰ خاں خاتمۃ الکتاب میں لکھتے ہیں:۔

"ہزاران ہزار شکر پروردگار کہ باہتمام سراپا عصیاں محمد مصطفےٰ خان ولد حاجی محمد روشن خاں اور تصحیح کمترین امت خیر البشر سعد الدین حیدر کے مطبع مصطفائی میں کہ بیت السلطنت لکھنؤ کے محلہ محمود نگر میں قریب اکبری دروازے کے واقع ہے، یعنے جمادی الاولی سنہ ۱۲۵۷ھ میں اختتام کو پہنچا چھپنا رسالہ شریف سر الشہادتین تصنیف افضل المتکلمین اشرف المتاخرین مولینا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ العزیز کا ساتھ ترجمہ مشمول عنایت ازلی مولوی خرم علی بلہوری کے مگر جہاں اُن کے نسخہ میں عبارت متن کی کم تھی وہاں موافق شرح تحریر الشہادتین تالیف عارف باللہ مولانا شاہ سلامت اللہ کے ترجمہ کر دیا، اور واسطے توضیح مطالب رسالہ کے عوام کی سمجھ کے موافق عبارت شرح اور صواعق محرقہ کے زبان اردو میں ترجمہ کر کے بطریق فائدوں کے حاشیہ پر لکھ دی، اور اس رسالہ کو بعد اس کے کہ مسخ ہو گیا تھا کرسی پا بٹھلکر

---

[1] یہ غالباً اصل میں سنہ ۱۲۴۶ھ ہوگا جس کو ناقل نے سنہ ۱۲۲۶ھ کر دیا، ورنہ پھر شاہ عبدالعزیز لکھنا کیونکر صحیح ہوگا، اس لئے کہ شاہ عبدالعزیزؒ کا انتقال سنہ ۱۲۳۹ھ میں ہوا ہے، اسی لئے ہم نے ابتدا میں ۱۲۴۶ لکھا ہے۔

[2] ہمارا خیال ہے کہ جو نسخہ مولانا خرم علیؒ کے پاس تھا، غالباً شاہ صاحبؒ کا اصل متن بھی اتنا ہی ہوگا، اور

پھر درجۂ صحت کو پہنچایا، ورحم اللہ امرأ انصف ولم يتعسف"[1]

مولانا خرم علیؒ نے نثر کا ترجمہ نثر میں کیا ہے، اور شعروں کا شعروں میں، ترجمہ کا نمونہ یہ ہے،

اعلم رحمك الله تعالى ان	اس کو جانئے کہ جو کمالات، اور
الكمالات التى تفرقت فى	خوبیاں جُدا جُدا اور پیغمبروں علیہم
الانبياء عليهم السلام قد	السلام میں ہیں سو ہمارے پیغمبر
اجتمعت فى نبينا محمد صلى الله	علیہ الصلوٰۃ والسلام
عليه وسلم،	میں بالکل یکجا جمع ہو گئیں،
فقد اُعطى الخلافة كما	چنانچہ حضرتؐ کو خلافت ملی جیسے آدم
اعطى آدم وداؤد عليهما	اور داؤد علیہما السلام کو اور حضرتؐ کو سلطنت
السلام واعطى الملك كما	ملی جیسے سلیمان علیہ السلام کو اور حضرت
اعطى سليمان عليه السلام	میں حسن تھا جیسا یوسف علیہ السلام
واعطى الحسن كما اعطى يوسف	میں اور حضرت میں خلت تھی جیسے حضرت
عليه السلام واعطى الخلة	ابراہیم علیہ السلام میں، اور حضرت سے
كما اعطى ابراهيم عليه السلام	خدا ہم کلام ہوا، جیسے موسیٰ علیہ السلام
واعطى الكلام كما اعطى موسى	سے اور حضرت عابد تھے جیسے یونس علیہ
عليه السلام واعطى العبادة	السلام، اور حضرت بڑے شکر گذار تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۴) اضافہ الحاقی ہوگا، اس لئے کہ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں، جو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے قلم کی نہیں معلوم ہوتیں، ظاہر ہے جو شخص تحفۂ اثنا عشریہ جیسی بلند پایہ کتاب لکھ سکتا ہے، اس کے قلم سے ایسی باتیں کیونکر نکل سکتی ہیں۔ [1] سر الشہادتین مطبع مصطفائی لکھنؤ سنہ ۱۲۵۷ھ ص ۳۲،

کما اعطی یونس علیہ السلام
واعطی الشکر کما اعطی نوح
علیہ السلام وقد زین لہ
کمالات اُخر من انواع
الولایات والمحبوبیۃ
المطلقہ والاصطفاء
المطلق والرؤیۃ والقرب
الاتم والشفاعۃ العظمیٰ
والجہاد مع اعداء اللہ
تعالیٰ الیٰ غیر ذلک من الکمالات
کالعلم الوسیع والعرفان الاتم
والقضاء والفتیاء والاجتہاد
والاحتساب والقراءۃ و
غیرھا لکن بقی لہ کمال
لم یحصل لہ بنفسہ وھی الشہادۃ

جیسے نوح علیہ السلام، اگر ان سے زیادہ
حضرت میں اور کمالات تھے، چنانچہ
ولایت، اور تصرفات ہر قسم کی اور
سب طرح کی محبوبی، اور سب کاموں
کی مقبولی، اور دیدار الٰہی، اور نہایت
خدا کی نزدیکی، اور شفاعتِ کبریٰ، اور
کافروں سے جہاد، سوائے اس کے اور
کمالات جیسے علم بیشمار اور بڑے سرے کا
کا عرفان، اور قضے فیصل کرنا، اور
فتوی دینا، اور اجتہاد اور محتسبی، اور
قرأت وغیرہ لیکن آپ میں ایک کمال
باقی رہ گیا تھا کہ حضرت کی ذات میں
حاصل نہ تھا، یعنی شہادت،

مسح النبی جبینہ فلہ بریق فی الخدود
اس جبیں کو نبی نے چوما تھا تھی چمک کیا ہی اس کے چہرے پر
ابواہ فی علیا قریش وجدہ خیر الجدود[1]
اُس کے ماں باپ تھے قریش کی جان اُس کا نانا جہان سے بہتر تھا،

[1] سر الشہادتین ص ۵۰

(۷) آداب الحرمین: یہ رسالہ ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء کی تالیف ہے، تقطیع متوسط اور صفحات ۲۰ ہیں، مطبع محمدی لکھنؤ سے محمد حسین نے ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء[1] میں شائع کیا تھا، یہ رسالہ مولانا نے سید میرک جان شنا ور لکھنوی کی فرمایش پر لکھا تھا، اس میں حج اور زیارت مدینہ منورہ کے متعلق ضروری مسائل درالمختار اور شرح الوقایہ سے مرتب کئے گئے ہیں، رسالہ کی ابتدا میں ہے،

اما بعد یہ رسالہ ہے آداب الحرمین اس میں ضروری مسائل حج کے اور زیارتِ مدینہ کے اردو میں صاف صاف بیان ہیں شرح وقایہ اور دُرالمختار وغیرہ سے بندہ عاجز خرم علی نے بموجب فرمایش سید میرک جان شنا ور لکھنوی کے سنہ ۱۲۴۹ھ میں مرتب کیا، حق تعالیٰ مسلمین کو اس سے فائدہ بخشے، آمین"

عبارت کا نمونہ یہ ہے،

"حج فرض ہے جو اس کو نہ مانے وہ کافر ہے، حج اس مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے جو آزاد اور تندرست اور مقدور والا ہو، یعنی آتے جاتے اہل وعیال کے خرچ کے سوائے اس کے پاس خرچ اور سواری میسر ہو، اور راہ میں امن ہو، اور عورت پر اس وقت فرض ہے کہ اس کے ساتھ خاوند یا محرم ہو، تمام عمر میں ایک بار حج فوراً فرض ہے یعنی مقدور ہو کر سستی کرنا سخت گناہ ہے، "فرائض حج" حج میں تین فرض ہیں، ایک احرام، دوسرے وقوف عرفہ یعنی عرفے کے دن عرفات میں ٹھہرنا، اگرچہ ایک ساعت ہی ہو، تیسرے طواف الزیارۃ، ان تین میں سے اگر کوئی ترک ہو تو حج نہ ہو"[2]

[1] یہ رسالہ آداب الحرمین کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں ہماری نظر سے گذرا ہے، اس پر سنہ طباعت درج نہیں لیکن اسی مطبع کا چھپا ہوا جو نسخہ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک میں محفوظ ہے، اس پر یہی سنہ طباعت درج ہے [2] آداب الحرمین ص ۲

یہ رسالہ اگرچہ ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے لیکن آداب تحریر ۱۳ صفحات پر ختم ہو جاتا ہے، چودھویں صفحہ سے پھر ادعیہ ماثورہ شروع ہوتی ہیں، جو محمد حسین خان نے حجاج کی سہولت کے لئے نقل کی ہیں۔

(۸) **رسالہ منع قرأت فاتحہ خلف الامام**: یہ رسالہ موصوف نے احناف کے معرکۃ آرار مسئلہ مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی تائید میں لکھا ہے، مگر یہ نسخہ ناپید ہے،

مولوی رحمان علی تذکرۂ علمائے ہند میں لکھتے ہیں،[۵۱]

"رسالہ منع قرأت فاتحہ خلف الامام و ترجمہ مشارق الانوار...... از و یادگار ماند"

وفات[۵۲] مولانا خرم علی بلہوری نے کم و بیش چالیس پینتالیس سال تک مسلسل مسلمانوں کی اصلاح،

---

۵۱ تذکرۂ علمائے ہند طبع دوم نولکشور ۱۹۱۴ء ص ۵۰ ۵۲ مولانا کے سال وفات میں اختلاف ہے، امام خان نوشہروی نے (تراجم علمائے حدیث ہند مطبوعہ دہلی ۱۳۵۶ھ جلد ۱ ص ۵۰۹) اور مولانا مسعود عالم ندوی نے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک طبع راولپنڈی ص ۱۷ میں آپ کا سال وفات ۱۲۶۰ھ نقل کیا ہے، جو بداہۃً غلط ہے، کیونکہ یہ زمانہ آپکے درالمختار کے ترجمہ کا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا،

مولانا محمد احسن نانوتوی کا بیان ہے کہ آپنے ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا، چنانچہ غایۃ الاوطار (طبع نولکشور ۱۳۱۰ھ ج ۔ ص ۳) کے دیباچہ میں لکھتے ہیں،

"پھر محرم ۱۲۷۱ھ تک کتاب الحج کا ترجمہ پورا کرکے شروع کتاب سے باب الاذان تک لکھنے پائے تھے کہ یکایک رہگرائے عالم بقا ہوئے،

اسی عبارت کا ترجمہ فارسی میں مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند میں کر دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں،

"پس از آن بماہ محرم بسال دوازدہ صد و ہفتاد و یک ہجری ترجمہ کتاب الحج مکمل نمودہ از شروع کتاب تا باب الاذان ترجمہ نوشتہ بودند کہ ہمدریں سال داعی اجل را

ترویج سنت اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہ کر ۱۲۷۳ھ میں اپنے ننہیال قصبہ آسیون میں انتقال فرمایا، اور وہیں آبادی کے شمال مغربی گوشہ میں عیدگاہ کے پاس دفن ہوئے، سقی اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ، آمین،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) لبیک گفتہ رہگرائے عالم بقا شدند"

یہی سال وفات مولانا غلام رسول مہر نے اپنی تازہ تالیف "جماعت مجاہدین" (طبع لاہور ص ۲۹۲) میں نقل کیا ہے، نواب صدیق حسن خان نے آپ کا سال وفات ۱۲۸۰ھ لکھا ہے، چنانچہ اتحاف النبلاء (طبع کانپور ۱۲۸۸ھ ص ۱۴۹) میں لکھتے ہیں،

"و شرح اردوے مشارق مسمی تحفۃ الاخیار از مولوی خرم علی بلہوری المتوفی ۱۲۸۰ھ ثمانین و مائتین و الف است و این شرح دو بار در ہند علیہ طبع پوشیدہ و عوام مسلمین بلکہ خواص مومنین را نفع خاص و عام بخشید"

مولانا محمد احسن نانوتوی اور نواب صدیق حسن خان کے بیان میں اتنا تفاوت ہرگز نہیں ہو سکتا، مولانا محمد احسن نانوتوی کے بیان سے زیادہ سے زیادہ دو تین سال کا فرق تو نکل سکتا ہے، لیکن سات آٹھ سال کا فرق ممکن نہیں، کیونکہ یہ زمانہ موصوف کی درالمختار کے ترجمہ پر نظر ثانی کا ہے، اس لئے نواب صدیق حسن خان کا بیان زیادہ قوی نہیں۔

صحیح روایت یہی ہے کہ موصوف نے ۱۲۷۳ھ کے اختتام میں وفات پائی، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں،

"۱۲۷۳ھ میں قاضی حسین الدین صاحب کے قاضی پرگنہ اسیون مقرر کئے جانے کے متعلق جو صورت حال یا محضر لکھا گیا تھا، اس پر شرفائے قصبہ اسیون کے دستخط ہیں، ان میں مولانا خرم علی کے بھی دستخط ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رجب ۱۲۷۳ھ تک بقید حیات تھے،"

مولانا سید ابو الحسن صاحب کی یہ تحقیق بھی دراصل حکیم عبد العلی آسیونی کے افادات میں سے ہے، جنھوں نے اسیون کی تاریخ لکھی تھی، مگر چھپی نہیں، افسوس ۲ تین ماہ ہوئے کہ موصوف کا راولپنڈی میں انتقال ہو گیا، رحمہ اللہ